لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:96 ماہ دسمبر 2020ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW

(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385

www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

بانی: خان بشیر احمد رفیق   An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated   بانی: آدم چغتائی

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن کے کامیاب آٹھ سال

مدیر:
رانا عبدالرزاق خان

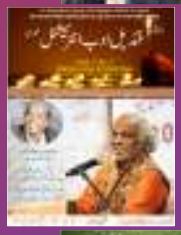

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✔ Member National Landlord Association
- ✔ Member Deposit Portection Schemes
- ✔ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✔ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✔ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ E-mail: ranarazzaq52@gmail.com

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

فہرست مضامین

اداریہ- قندیل ادب انٹرنیشنل کے آٹھ سال	رانا عبدالرزاق خان	4
کتب کے نام	عطاء القادر طاہر	4
غزلیات: فرید احمد انجم، محسن نقوی، جون ایلیا، ناظر فاروقی، حنیف تمنا، مبارک صدیقی، چوہدری محمد علی مضطر عارفی، عبدالکریم قدسی، سعدیہ شاہ، شکیل قمر، شمشاد شاد، گلشن بیابانی، عباس ثاقب، عاصی صحرائی، اقبال طارق، تمثیلہ لطیف، اعظم نوید، عبدالرزاق ہیکل، صادق باجوہ، زہرا بتول، شائق نصیر پوری، ڈاکٹر مقصود جعفری، مرزا اسداللہ خان غالب، غزالہ انجم، سرفراز بزمی، سیماب، افضال بیل، ڈاکٹر لبنیٰ عکس لبنیٰ، مبارک صدیقی، نسیم عباسی، صالح اچھا، امین اوڈیرائی، عاطف جاوید عاف، شاہ زمان بھنگر، سرفراز بزمی، ڈاکٹر منور کنڈے، توقیر احمد خاں کراچی، عامر یوسف لاہور، انور مسعود، شاہد علی ہاشمی، ڈاکٹر ظفر جاذب، انور ندیم علوی، عذرا ناز، شریف خالد، طفیل عامر، ڈاکٹر مقصود جعفری، بشارت احمد بشارت، فرزانہ فرحت، احمد فراز، رشید قیصرانی، محمد اسحاق اطہر۔		5 تا 16
اردو زبان کا خون کیسے ہوا اور کون ذمہ دار	رجل خوشاب	17
سرداریاں- دو داماد	بشارت احمد چیمہ	18
عورت برائے فروخت	عبدالقدیر کوکب	19
ریٹائرڈ دوستوں کی یاددہانی	شرفت ناز	20
کیا پاکستان کے نظام کی ہر چیز سلیکٹڈ ہے	شاہنواز فاروقی	21
بطخ یا عقاب	مبشرہ ناز	23
ابن انشاء	منور خورشید صاحب	24
اماں اور میں	مبشرہ ناز	25
جون ایلیا کا انٹرویو	مہر ناصر سیال	26
قندیل شعر و سخن کے زیر اہتمام آن لان مشاعرہ	عبدالحمید حمیدی کینیڈا	27
یہ امریکہ ہے اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں	ابن لطیف	29
ڈیجیٹل نوسر باز	بشیر احمد خان	30
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	31
لفظوں کے متروک ہونے کی کہانی	عاصی صحرائی	32
زندگی کی سچی تلخیاں	عطاء القادر طاہر	33
صرف بیٹے مانگنے والوں کیلئے سادہ سی تحریر	ثقلین مبارک	34
بیٹی کی ولادت پہ غم	ادارہ	35
گلوکارہ ریشماں	رجل خوشاب	36
بانگ ناخواستہ	اے آر خان	37
نعمت خانہ	مبشرہ ناز	38
افسوس ہمارے عادل فاروقی رخصت ہو گئے	امجد مرزا امجد	39
باعث برکت	امجد مرزا امجد	40
اخبار پر تاپ	رانا مبارک احمد	41
بوڑھے تو کام کے ہوتے ہیں	رند ملک	42
مشاعرہ پوسٹرز	ادارہ	43

***

قندیل ادب انٹرنیشنل کے کامیاب آٹھ سال مکمل ہونے پر مبارکباد

تعالیٰ کا احسان ہے اور ہم اس کے شکر گزار ہیں کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں صحت جیسی نایاب نعمت اب تک دے رکھی ہے کہ ہم اردو ادب کی خدمت میں رواں دواں بلکہ کمر بستہ ہیں ۔مالی فراخی بھی مولا کریم نے اس قدر عطا کی ہوئی ہے کہ نظام چل رہا ہے۔اور احباب بھی استطاعت کے مطابق تعاون کر رہے ہیں یہ شمارہ نمبر 96 ہے۔یعنی کہ ہمیں آٹھ سال ہو گئے اس میگزین کو نکالتے ۔جب اس کو شروع کیا تھا تو خاکسار خود کو بہت کمزور تصور کرتا تھا۔مگر پھر ایسا ہوا کہ لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا ۔اس میگزین کے قارئین کی تعداد ساری دنیا میں لاکھوں تک پہنچ چکی ہے ۔کوئی ایسا ملک نہیں کہ جہاں اردو بولنے والے موجود نہ ہوں ۔اور یہ رسالہ یقیناً ہر ملک میں جاتا ہے ۔بذریعہ ای میل کے بذریعہ واٹس ایپ کے بلکہ ہر طریقے سے ۔برطانیہ میں تو یہ پرنٹ کر کے بھی ارسال کیا جاتا ہے ساری دنیا سے قائین کے خطوط اور میسیجز آتے ہیں جن سے بھرپور راہنمائی ملتی ہے ۔اور جو بھی کمی ہوتی ہے ہم اسے پوری کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں ۔ اس کی پرنٹنگ اور سلیکشن دیدہ زیب اور معیاری ہوتی ہے۔اس ادارے کے ممبران بہت محنت سے یہ کام سرانجام دیتے ہیں ۔اس آٹھویں سالگرہ کے موقع پر ہم سب قارئین کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور سب دوستوں سے تعاون کی درخواست کرتے ہیں ۔اس میگزین کا سالانہ چندہ ۲۵ برطانوی پونڈ ہے ۔اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو ۳۵ پونڈ سالانہ ہے ۔دسمبر میں اس کا چندہ ختم ہو رہا ہے ۔احباب مندرجہ ذیل بینک اکاؤنٹ میں ادائیگی کر کے ممنون فرمائیں ۔۔جزاکم اللہ۔

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK, A/C 04726979

Sort Code 400500

(M) 0044-7886-304637

02089449385

کتب کے نام

عطاء القادر طاہر

ایک لڑکی اپنے والد کے ساتھ بک شاپ میں کتابیں فروخت کر رہی تھی کہ اپنے بوائے فرینڈ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا کہنے لگی: کیا آپ المانی کی کتاب ''ابو میرے برابر میں کھڑے ہیں'' خریدنے آئے ہیں؟ لڑکے نے جواب دیا: نہیں میں توماس ہرنانیر کی کتاب کب ملوگی خریدنے آیا ہوں ۔لڑکی: یہ کتاب ہمارے پاس نہیں البتہ باتریس فرد کی کتاب کل یونیورسٹی میں مل سکتی ہے ۔لڑکا: اچھی بات ہے لیکن کل آپ بلجی کی برنار کی کتاب رات کو فون پہ بات ہوسکتی ہے لاسکتی ہیں؟ لڑکی: ہاں کیوں نہیں۔ کیا آپ میشیل دانیال کی کتاب رات دس بجے کے بعد بھی خریدنا پسند فرمائیں گے؟ لڑکے نے جواب دیا: بسروچشم ۔جب لڑکا چلا گیا تو باپ نے بیٹی سے کہا: کیا یہ لڑکا ان ساری کتابوں کا مطالعہ کر سکے گا؟ بیٹی نے کہا: جی ہاں یہ ذہین ہے اور یونیورسٹی میں شریف طالبعلم ہے۔والد: اچھی بات ہے بیٹی لیکن میرے پاس تم دونوں کیلئے دو بہترین کتابیں ہیں۔ یہ کتابیں تم دونوں ضرور پڑھنا۔ایک ھولندی فرانک مارتیز کی کتاب میں بیوقوف نہیں ہوں اور دوسری روسی موریس ھنری کی کتاب کل اپنے چچازاد کے ساتھ شادی کیلئے تیار رہو ہے۔ (منقول)

عظمت کیا ہے! ۔ ایک بدو گدھے پر سوار ہو کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے پاس گیا اور اپنی تعریفیں کرنے لگا کہ میں فلاں معزز قبیلے سے ہوں میرا باپ ایسا تھا اور ویسا۔حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ عقل انسان کا حسب ہے، حُسن خلق اس کی شرافت اور تقویٰ اس کی عظمت ۔اگر یہ اوصاف تم میں موجود ہیں تو تم اچھے ورنہ یہ گدھا تم سے اچھا ہے جس پر تم سوار ہو۔ سید حسن خان کابلی۔

غزلیات

حمدیہ کلام
فرید احمد نوید

ملک تیرے، مکان تیرے ہیں
ملک تیرے، مکان تیرے ہیں
یہ زمیں، آسمان تیرے ہیں
کوئی سورج جلا نہیں سکتا
سر پہ گر سائبان تیرے ہیں
خاک تا انتہائے ہفت افلاک
ہر قدم پر نشان تیرے ہیں
اس سے بڑھ کر غنی نہیں کوئی
جس کی جھولی میں دان تیرے ہیں
تیرے دم سے ہے قوت پرواز
بال و پر اور اڑان تیرے ہیں
خوش نصیبی پہ ناز کرتے ہیں
ہم جو زیر امان تیرے ہیں
حمد کے گیت ہیں عطا تیری
یہ زبان و بیان تیرے ہیں
ہم نے مانا کہ ہیں بہت کمزور
پھر بھی جیسے ہیں جان تیرے ہیں

محسن نقوی

اُداسیوں کا یہ موسم بدل بھی سکتا تھا
وہ چاہتا تو میرے ساتھ چل بھی سکتا تھا
وہ شخص تُو نے جِس کو چھوڑنے کی جلدی کی
تیرے مزاج کے سانچے میں ڈھل بھی سکتا تھا
وہ جلد باز خفا ہوکر چل دیا ورنہ
تنازعات کا کوئی حل نکل بھی سکتا تھا
انا نے ہاتھ اُٹھانے نہیں دیا ورنہ
میری دُعا سے وہ پتّھر پگھل بھی سکتا تھا
تمام عُمر تیرا مُنتظر رہا مُحسن
یہ اور بات کہ رستہ بدل بھی سکتا تھا

جون اِیلیا

سہتے سہتے سیاروں کی مار پرندے بھی
بن جائیں گے تلواروں کی دھار پرندے بھی
رہنے دو محفوظ شجر کے ٹھور ٹھکانوں کو
اُڑتے اُڑتے تھک جاتے ہیں یار پرندے بھی
اُنکے بھی سر پر ہوتا ہے بوجھ ضرورت کا
رکھتے ہیں ہم لوگوں سا گھر بار پرندے بھی
سوچ رہا ہے جنگل بھی یہ دور سیاسی ہے
کھینچ نہ لیں ان شاخوں پر دیوار پرندے بھی
اُنکے بھی دل میں اُلفت کا جذبہ ہوتا ہے
کر لیتے ہیں چپکے سے اظہار پرندے بھی
واپس آ جاتے ہیں اکثر خالی ہاتھ لئے
جان گئے ہیں کس کا ہے دربار پرندے بھی
کعبہ کی تاریخ اُٹھاکر دیکھو تو بندو
رکھتے ہیں کنکریوں کے ہتھیار پرندے بھی

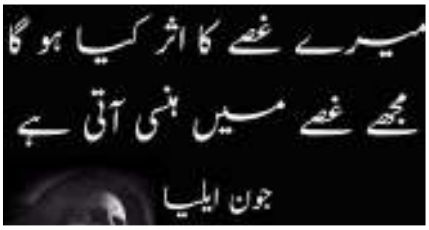

ناظر فاروقی

تمہارے واسطے دنیا سے دشمنی لوں گا
عذاب جان پہ اپنی خوشی خوشی لوں گا
خیالِ دوست سے انتقام بھی لونگا
کہ اس کو بھول کے بھی دیکھنا کہ جی لونگا
میں بت کدوں میں بھی جاؤں گا دوستی کے لئے
خدا کا نام بھی لیکن کبھی کبھی لونگا
شرابِ شوق کی تلخی اگر بڑھی حد سے
تو اس میں بھی غمِ دوراں ملا کے پی لوں گا
ادھر سے زہر بھی آئے تو میں خدا کی قسم
پُتر، گنگ، وجمن، جل سمجھ کے پی لوں گا
میرا ضمیر ہی ساری اساس ہے ناظرؔ
میں اس کو بیچ کے ہرگز نہ زندگی لونگا

حنیف تمنا

عشق سے توبہ کرگیا شاید
جی محبت سے بھرگیا شاید
جی رہا ہوں یہ اک تصور ہے
میں محبت میں مرگیا شاید
خوف بن کر گماں بچھڑنے کا
میرے اندر اُتر گیا شاید
چشمِ اُمید کی یہ ویرانی
جھیل میں چاند مرگیا شاید
وہ نہ تھا گر ادھر تو پھر میرا

تھا تخیل اُدھر گیا شاید
منہ تک دیکھنے نہیں آیا
مجھ سے پہلے وہ مر گیا شاید
مجھ کو صحرائے غم بلاتا ہے
میں وفا میں بکھر گیا شاید
اب نہیں جاذب نظر تو آیا
میرا ذوق نظر گیا شاید
ہر جفا کار سے وفا کرلی
میں زمانے سے ڈر گیا شاید
سُوئے صحرا تمنّا وحشت میں
عشق بے بال و پر گیا شاید

مبارک صدیقی

وہ جسے میں نے دل و جان سے چاہا آہا
اُس نے بھی ایک مرا شعر سراہا آہا
کوچہء یار کے آزار بھی سُکھ ہوتے ہیں
اُس نے رکھا جو مرے زخم پہ پھاہا آہا
کون ساقی ہے سرِ بزم شرابوں جیسا
میکدہ بول اٹھا جھوم کے آہا آہا
وہ مجھے پھول اگر دے تو کدھر جاؤں گا
جس سے پتھر بھی پڑا تو میں کراہا آہا
کل وہ کہتا تھا مجھے شعر برے لگتے ہیں
آج کہتا ہے غزل سن کے جو آہا آہا
اپنے اعمال جو دیکھوں تو تہی دامن ہوں
تیری بخشش کو جو دیکھوں تو الہا آہا
مجھ سے پتھر کو بھی اک روز ستارا کردے
خاک سے پھول اگاتا ہے تو شاہا آہا
یار نے جو بھی کہا دل نے کہا بسم اللہ
اس طرح عشق مبارک نے نباہا آہا

چوہدری محمد علی مضطر عارفی

گھومتا پھرتا رہے ہے قیس دن بھر گاؤں میں
اس کا بنگلہ شہر میں ہے اور دفتر گاؤں میں
شہر اس کو دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں گے
وہ چلا جائے گا تصویریں دکھا کر گاؤں میں
لڑکیاں ہنسنے لگیں اس کی پھٹی پتلون پر
شہر کے لڑکے کا اب جینا ہے دوبھر گاؤں میں
رونگٹے جس سے کھڑے ہو جائیں اہلِ شہر کے
ہم نے ان آنکھوں سے دیکھا ہے وہ منظر گاؤں میں
اب وہ اس چکر میں ہے کہ ابتدا کس سے کرے
ایک کافر شہر میں ہے ایک کافر گاؤں میں
شہر کی سڑکوں پہ جو منڈلا رہے ہیں ان دنوں
اُڑ رہے تھے کل یہی اُجلے کبوتر گاؤں میں
صبح تک ہوتی رہی آواز کی جنگِ عظیم
رات بھر لڑتے رہے لفظوں کے لشکر گاؤں میں
جاچکا ہے تیرا گاؤں شہر کی آغوش میں
اور تو بیٹھا ہے اب تک گھر کے اندر گاؤں میں
میں اگر ہمسر نہیں ہوں تیرا ہمسایہ تو ہوں
میرا گھر بھی ہے تیرے گھر کے برابر گاؤں میں
آئینوں کے ٹوٹنے کا اب کوئی خطرہ نہیں
آئینے سب شہر میں ہیں اور پتھر گاؤں میں
ایک ہی ریلے میں مضطرؔ بہہ گئے ان کے محل
اب بھی ہے زندہ سلامت میرا چھپر گاؤں میں

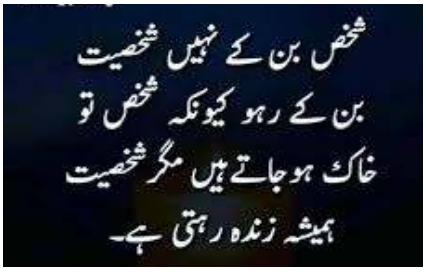

عبدالکریم قدسی

زمیں پہ زندگی بھی آسماں سے آتی ہے
ہوا بہار کی شہرِ خزاں سے آتی ہے
یہ روشنی کی پری سی جو اُڑتی پھرتی ہے
میرے مکاں میں اسکے مکاں سے آتی ہے
کہاں فضا یہ کہاں دعوتِ الی اللہ، مگر
مرے ارادوں میں قوت، اذاں سے آتی ہے
اے یادِ دوستاں کیا تجھ کو ڈر نہیں لگتا
تو آدھی رات کو کیسے، کہاں سے آتی ہے
سفر میں رہنا نہ شکوہ گلہ کوئی کرنا
یہ مشقِ ظرف تو آبِ رواں سے آتی ہے
تلاشِ عیب کی خاطر ہی وہ پڑھیں گے ہمیں
نفع کی بات بھی کارِ زیاں سے آتی ہے
لہو کا رشتہ ہو یا دودھ کا مگر قدسیؔ
کہاں وہ رشتے کی خوشبو جو ماں سے آتی ہے

سعدیہ شاہ

کلیاں اور پھول بھی کئی محفوظ نہیں ہیں
گاؤں کی گلیوں میں محفوظ نہیں ہیں
شہر کے راستوں میں بھی محفوظ نہیں ہیں
پردے والوں کو بھی ہر وقت خطرے کا سامنا
اب تو فحشی اور بے حسی بھی محفوظ نہیں ہیں
اے حوا کی بیٹیوں اب تم کہیں بھی محفوظ نہیں
ماؤں کی بیٹیاں پکارتی ہیں
اے حکمرانوں ہم تو ہر جگہ محفوظ نہیں ہیں
ہر طرف دیکھو تو حیوان ہی حیوان
اب تو کہیں بھی عزت محفوظ نہیں ہیں

شکیل قمر

یہ دل جب سے ملا آہستہ آہستہ
چمن دل کا کھلا آہستہ آہستہ
مجھے پڑھ کر بتا میرے لئے تونے
یہ ایسا کیا لکھا آہستہ آہستہ
تڑپ تو تھی مرے سینے میں مدت سے
سکوں دل کو ملا آہستہ آہستہ
چبھن محسوس ہوتی تھی مجھے اکثر
یہ دل ان کا ہوا آہستہ آہستہ
مرے دل کو ملے گا تب صلہ آخر
چلے گی جب ہوا آہستہ آہستہ

شمشاد شادؔ

کچھ غم نہیں کسی کو سروکار ہو نہ ہو
کوئی مری وفا کا طلب گار ہو نہ ہو
آنکھوں میں آنکھیں ڈال مری تجھ کو اس سے کیا
فرطِ حیا سے سرخ یہ رُخسار ہو نہ ہو
دیکھا جو تم نے پیار سے تسکین مل گئی
اچھا اب اس کے بعد یہ بیمار ہو نہ ہو
رشتوں کے بیچ آ ہی گئی ہے دراڑ تو
کیا فرق کوئی اینٹ کی دیوار ہو نہ ہو
پختہ ارادہ لے کے چلے ہیں سفر پہ ہم
رستہ ہمارے واسطے ہموار ہو نہ ہو
ان خوشنما نظاروں کو جی بھر کے دیکھ لے
بارِ دگر تو نیند سے بیدار ہو نہ ہو
سولی پہ لایا جاتا ہے اک عام آدمی
یہ بات الگ کہ شادؔ خطاوار ہو نہ ہو

گلشن بیابانی

یوں تو کوئی راہزن نا راہبر اچّھا لگا
مدّتوں کے بعد کوئی ہمسفر اچّھا لگا
وصل کی شب میں مرا بس ایک بوسہ مانگنا
اور اسکا روٹھنا وہ مختصر اچّھا لگا
صبح سورج کی شعائیں، تیر سی چبھنے لگیں
گنوؤں کا ٹمٹمانا رات بھر اچّھا لگا
بعد انکارِ مسلسل، کرلیا اقرار کیوں
گھومنا میرا تمہیں کیا دربدر اچّھا لگا
اے پڑوسی! چھاؤں ملتی ہے مجھے اسکی گھنی
بے ثمر ہے پھر بھی تیرا یہ شجر اچّھا لگا
سب ستارے سوگئے اٹھکھیلیاں کرتے ہوئے
ادلوں سے جھانکتا، تنہا قمر اچّھا لگا
آتی تھی گلشن میں ہمارے جب تلک
ہم کو ہر دشت و بیاباں کا سفر اچّھا لگا

عباس ثاقبؔ

دل تڑپنے لگ گیا پھر سے برائے اربعین
چل پڑی مغرب کی جانب سے ہوائے اربعین
بربنائے کربلا زندہ ہوا دینِ خدا
کربلا زندہ ہوئی ہے بر بنائے اربعین
دخترِ زہراؑ! ترے پیاسے سفر کی یاد میں
آنسوؤں نے اوڑھ رکھی ہے ردائے اربعین
خوف سے سہمے ہوئے ہیں آج کے سارے یزید
پھیلتی جاتی ہے عالم میں صدائے اربعین
اور کیا باقی بچا ہے دامنِ اسلام میں
ما سوائے کربلا و ماسوائے اربعین
اے فراتِ بے وفا! تیرے کنارے کی طرف
چار جانب سے چلے ہیں تشنہ ہائے اربعین
ہر نفس پر اس وبا کا خوف طاری ہو گیا
ہاں مگر جس کو گلے اپنے لگائے اربعین
روکنا چاہا اسے تم نے فقط اک ملک میں
بن گئی ہر ملک میں لیکن فضائے اربعین

عاصی صحرائی

ملاؤں نے کی ہے یلغار پاکستان میں
سب کا ہوا جینا دشوار پاکستان میں
وہ ساری زبانیں جن سے پھول برستے تھے
سب ہوگئیں تلوار پاکستان میں
سوچو کہ جو بچے کھلونے بیچتے تھے
کیوں بن گئے بمبار پاکستان میں
حیرت ہے اب بچوں کے مدرسے پڑھنے سے
ڈرتی ہے سرکار سارے پاکستان میں
اک عمر سے بھائی چارہ تھا ہمسایوں سے
اب باہم ہیں بیزار سارے پاکستان میں
حکومت میں جب سے آئے ہیں سب خرکار
ہر نظام ہوا بیکار سارے پاکستان میں
شکم پری کو جب سے لالچ بنایا ہے
ہر کوئی ہوا منافق وغدار سارے پاکستان میں
اس قوم کو پاس نہیں کوئی اپنی عزت کا
پہنتے ہیں شلوار کھاتے ہیں نسوار سارے پاکستان میں
عاصیؔ کے قبیلے والوں کی رکھوالی کو
ہر سمت ہیں اسلحہ بردار سارے پاکستان میں

گماں نہیں ہے، یقیں ہے، میرا یقیں کرو
کوئی کسی کا نہیں ہے، میرا یقیں کرو۔

جون ایلیاء

اقبال طارق

خواب ہو خواب میں آتے ہو چلے جاتے ہو
دید کا جام لنڈھاتے ہو چلے جاتے ہو
کسی امید پہ دنیا میں مجھے زندہ رکھو
آتے ہو آس بندھاتے ہو چلے جاتے ہو
میری آنکھوں میں جو لاشے مرے خوابوں کا
اس پہ روتے ہو رُلاتے ہو چلے جاتے ہو
قصۂ درد کسی طورنہ بھولے مجھ کو
روز آتے ہو سناتے ہو چلے جاتے ہو
کیوں مری آنکھوں میں ہر روز نئے درد کے پھول
دوستو! آ کے کھلاتے ہو چلے جاتے ہو
دوست زخموں کیلئے لاتے ہیں مرہم لیکن
ان پہ تم جشن مناتے ہو چلے جاتے ہو
راہ بھولے نہ کوئی دشت میں راہی طارق
رات بھر خود کو جلاتے ہو چلے جاتے ہو

شہزادہ قمرالدین مبشر

دین ہے ایمان ہے عشق نبی ﷺ

تیز ہے قاتل، مسلماں ہوشیار
جاگ اے غافل مسلماں، ہوشیار
اپنے دُشمن کی عبارت کو سمجھ
کارٹونوں کی سیاست کو سمجھ
یہ نہیں ہوتی صحافت جان لے
دُشمنوں کی کیا ہے نیت جان لے
تذکرہ ہر سو اہانت کا ہے آج
مومنو واجب ہے تم پر احتجاج
ہم نہ ہونے دیں گے توہین نبی ؐ
ہم پہ ہے تعظیم لازم آپ ؐ کی
دین ہے ایمان ہے عشق نبی ؐ
بندگی کی جان ہے عشق نبی ؐ
ہم فسادی ہیں نہ دہشت گرد ہیں
امن ہے پیارا جسے وہ فرد ہیں
بندۂ شیطان کی خواہش ہے یہ
دُشمنِ اسلام کی سازش ہے یہ
ہے رسول ؐ اپنا ہمیں جاں سے عزیز
ہم نہیں ہیں تیرے جیسے بدتمیز
پر مبشر جانتا یہ خوب ہے
اس عمل سے کیا تجھے مطلوب ہے

تمثیلہ لطیف

کبھی نہ سوچا تھا تم کدورت کے زخم دوگے
کہ مار ڈالو گے تم اذّیت کے زخم دوگے
تمہاری چاہت ہماری نظروں کے سامنے ہے
ہماری چاہت کو تم قیامت کے زخم دوگے
بھلا نہ پائیں گے ہم تمہاری یہ چاہتیں بھی
کبھی نہ سوچا تھا تم عداوت کے زخم دو گے
زمانے بھر کی اذیتوں کو نہ سہہ سکیں گے
ہمارے دامن پہ تم ندامت کے زخم دوگے
تمہیں حقیقت بیاں کریں بھی تو کیسے ہمدم
ہمیں بھلاؤ گے تم حقیقت کے زخم دوگے
کبھی نہ سوچا تھا تم بھی سورج بنو گے اک دن
کہ برف جسموں کو تم تمازت کے زخم دوگے
ہمارے حصے میں ہجر لمحے بھی کم نہیں ہیں
کبھی محبت میں تم بھی فرقت کے زخم دوگے

اعظم نوید

سر کوئی رکھتا ہو تو دستار ہونی چاہیے
زیست بھی اس شخص کی سردار ہونی چاہیے
حُسن کا سُورج نکل کر آخرش ہے ڈوبتا
اک جوانی صاحبِ کردار ہونی چاہیے
اُونچے عُہدے سے کوئی بنتا نہیں ہے حکمراں
کچھ طبیعت بھی گُل و گُلزار ہونی چاہیے
دُشمنوں سے ڈر کے جینا ہے کہاں مردانگی
زورِ بازو ہے تو پھر للکار ہونی چاہیے
پیار کے دو بول کر دیتے ہیں زخموں کا علاج
شیریں لہجے میں حسیں گُفتار ہونی چاہیے
حضرتِ انساں کی عزت ننگِ آدم ہو گئی
اس کی حُرمت سیم و زر کا ہار ہونی چاہیے
پیار میں کرتے ہیں دعویٰ جینے مرنے کا سبھی
جذبِ باہم بھی سُبک رفتار ہونی چاہیے
ہر کوئی ہے غرق رہتا دہر کے کھلواڑ میں
آخرت کی فکر بھی بیدار ہونی چاہیے
اپنی دولت کے نشے میں غرق ہیں خوردوکلاں
جب مزہ ہے زیست یہ ایثار ہونی چاہیے
فکرِ فردا کر لو یارو گنتی کے دن ہیں حیات
لب پہ ہر پل توبہ استغفار ہونی چاہیے
مطلبی دنیا ہے اعظم راہ چلنا دیکھ کر
اک نگاہِ ناز اب تلوار ہونی چاہیے

نامعلوم

موج میں رہتا ہوں بڑے رنگ میں رہتا ہوں
یہ شہرِ محبت ہے میں جھنگ میں رہتا ہوں

اس جھنگ کی مٹی میں بے لوث وفا ہے
دھرتی ہے دل روح کی فقط خوفِ خدا ہے
نواب ہوں نوابوں کے ڈھنگ میں رہتا ہوں
یہ شہر محبت ہے میں جھنگ میں رہتا ہوں
ہیر رانجھا کی محبت کی نشانی کا وطن ہے
سلطان باہو کی نگری ہے چاہت ہے،امن ہے
میں جہلم اور چناب کے سنگ میں رہتا ہوں
یہ شہر ہے محبت ہے میں جھنگ میں رہتا ہوں
آ تو بھی کسی روز تجھے جھنگ دکھا دوں
شمر حسن کے جلوؤں کا نیا رنگ دکھا دوں
مہمان کی آمد ہو، میں اُمنگ میں رہتا ہوں
یہ شہر محبت ہے میں جھنگ میں رہتا ہوں

سرفراز بزمی

ترے ہجر نے عطا کی یہ عجیب بے قراری
''نہ سکت ہے ضبطِ غم کی نہ مجال اشکباری''
مرے سومنات دل پر صفِ غزنوی سے بڑھ کر
تری شبنمی ادائیں ،ترا طرز غمگساری
میں کہاں ہوں اور کیا ہوں،تو کہاں ہے اور کیا ہے؟
اسی جستجو میں گزری، کبھی رات ساری ساری
یہ ستیزہ گاہ عالم، یہ حریف زلف برہم
نہ جنون فتنہ ساماں، نہ خرد کی ہوشیاری
"تو مری نظر میں کافر، میں تری نظر میں کافر"
میں اسیر زلف جاناں ، تو حریص شہریاری
مری خشک کشت دل پر ، ترے لفظ برق مضطر
کہ دھواں دھدھک نہ جائے، تری تہمتوں پہ واری
یہ مجاوران کعبہ، انھی کیا ہوا خدایا !
ترے دوستوں سے نفرت، ترے دشمنوں سے یاری
کوء رستمی سے کہدے ، کوء مرجبی سے کہدے
میں غلام مصطفی ہوں ، مرا شوق جانثاری
ہے بیان حال گلشن ، یہ جلے جلے نشیمن
یہ گھٹی گھٹی فضائیں، یہ گلوں کی آہ و زاری
اے غرور بندہ پرور، تجھے ہو جو خوف محشر
تو سریر سلطنت بھی ہے کلاہ خارداری
رہ زندگی میں بزمی، یہ متاع دل کی بازی
کبھی رہزنوں سے ہاری کبھی رہبروں سے ہاری

عبدالرزّاق بیکل

لب پر یہ دعا جب آ پہنچی
تب شعلوں پہ بَرکھا جا پہنچی
ہر جزو ہے کل کا عکس کوئی
خود عقل میں یہ رِیکھا پہنچی
منکر ابلیس کا ہے مجرم
اس تک بھی رضا یہ کیا پہنچی
اِک آگ سی دل میں ہے گویا
کیوں اور کہیں رادھا پہنچی
آگے ہی کا ہے یہ فلسفہ بھی
دنیا تھی کہاں؟ کب آ پہنچی
برہم وہ ستارے آج بھی ہیں
نزدیک وہ کیوں زہرہ پہنچی
ہم آپ وہاں خود آ پہنچی
مر جاتے ہیں وہ جیتے ہی جی
منزل ہو جو وہ تنہا پہنچی
ہم آپ خیالِ خام تو ہیں
اِبقا ہے یہاں گویا پہنچی
رونے میں تو جبر کا ہے عالم
ہونٹوں پہ ہنسی کیوں آ پہنچی
بیکل وہ پیار کی تھی جو امنگ
کیوں اور کہیں وہ جا پہنچی

صادق باجوہ

کیا محبت بھی خطا ہے کوئی
سینہ نفرت سے بھرا ہے کوئی
زہر نفرت کا پِلاتے کیوں ہو
ایک الفت بھی دوا ہے کوئی
کوئی پا بندِ سلاسل ہے کہیں
منتظر کرب و بلا ہے کوئی
پھر درِ زنداں کھلا ہے دیکھو
پھر سُوئے دار چلا ہے کوئی
ماں سی دھرتی کیلئے جاں دینا
خو ئے تسلیم و رضا ہے کوئی
چند ہاتھوں میں عنانِ مُنصِف
کیوں صحافی بھی بِکا ہے کوئی
جان دی جس نے وطن کی خاطر
کیا وہ غدّار ہوا ہے کوئی
ظلم وبیداد کے رسیا نہ بنو
بھولو مت کہ خدا ہے کوئی
جب بلاوے کی گھڑی آئے گی
زندگانی سے جدا ہے کوئی
کیا رقم حالِ وطن ہو صادقؔ
مضطرب دل کی دعا ہے کوئی

زہرا بتول

مانگتی ہے یہ روشنی ہر روز
اک تماشا ہے زندگی ہر روز
جانے کیا ہوگیا کہ دل سے میں
بات کرتی ہوں آپ کی ہر روز

آپ سے عشق کا کمال ہے یہ
بڑھتی جاتی ہے دلکشی ہر روز
بیٹھ جاتی ہے میرے ہونٹوں پر
تیرے ہونٹوں کی تشنگی ہر روز
تیرے ملنے کی آس میں جاناں
کھلنے لگتی ہے اک کلی ہر روز
اس سے بچھڑے ہوئے زمانہ ہوا
جس کو پانے کی چاہ تھی ہر روز
گہر میں زہرا ہمارے وقت سحر
اک تمنا مری ملی ہر روز

شائق نصیر پوری

اپنی تقدیر کا حاصل نگہِ ستم ہی سہی
دینے والے نے ہمیں کچھ تو دیا غم ہی سہی
اٹھے ہیں جانب منزل تو نہ ٹھہریں گے قدم
زیست کی راہ میں مانا کہ بہت خم ہی سہی
آخرش دیکھ لو ہم لوگ جدا ہو ہی گئے
تھے نہیں آپ خطا وار چلو ہم ہی سہی
فرض اس پہ بھی تھا ہجرت میں پشیماں ہونا
اس کو احساسِ خطا ہو گا بھلے کم ہی سہی
دل دھڑکتا تو ہے فرقت میں ابھی تک شائقؔ
دل میں دھڑکن تو ہے رفتار گو مدھم ہی سہی

ڈاکٹر مقصود جعفری

مُرغِ بسمل جو تہِ دام نکل آیا ہے
دستِ صیّاد پہ الزام نکل آیا ہے
فرصتِ لحظہ کسے تھی کہ یہاں پر آتا
تیرے کُوچے میں مگر کام نکل آیا ہے
شب گزیدوں سے کہو شمع کی لو تیز کریں
کوئی دیوانہ سرِ شام نکل آیا ہے
روکنے والوں سے رکتا ہے کہاں سیلِ جنوں
سفرِ شوق بہ ہر گام نکل آیا ہے
حرفِ حق کہنے سرِ دار نہ جب کوئی اٹھا
قرعہء فال مرے نام نکل آیا ہے
ہم تو سمجھے تھے کہ پلکوں پہ کوئی پھول کھِلا
زخمِ دل صورتِ گُلفام نکل آیا ہے
جعفری پردہ نشینی کا جو تھا دَور گیا
چاند وہ آج سرِ بام نکل آیا ہے

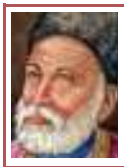

دیوانِ غالب
مرزا اسداللہ خان غالبؔ

مُدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے
کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوت مژگاں کیے ہوئے
پھر وضعِ احتیاط سے روکنے لگا ہے دَم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے
پھر گرم نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مُدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے
پھر پرسشِ جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے
پھر بھر رہا ہوں خامہ مژگاں بخونِ دل
سازِ چمن طرازیِ داماں کیے ہوئے
باہمدِگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے
دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے
پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے
دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستان نگاہ کا ساماں کیے ہوئے
پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا
جاں نذر دلفریبیِ عنواں کیے ہوئے
مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رُخ پہ پریشاں کیے ہوئے
چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سُرمہ سے تیز دشنہ مژگاں کیے ہوئے
اِک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے
پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیر بارِ منت درباں کیے ہوئے
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے
غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے

غزالہ انجم

میرے ہر خواب پریشان کی قیمت، دل ہے
کر چی کر چی ہوئے ارمان کی قیمت دل ہے
کیوں نہ اک کچے گھروندے میں بسیرا کر لیں
سنگ مر مر کے شبستان کی قیمت،دل ہے
قطرۂ خون ہے درکار ہر اک غنچے کو
زندگانی کے گلستان کی قیمت دل ہے
لوٹ جاؤ نہ یہاں جی کو لگاؤ صاحب
شہر شوریدہ میں گزران کی قیمت دل ہے
کیسے ممکن ہے کہ تسکین کبھی مل پائے

دل میں اٹھتے ہوئے طوفان کی قیمت، دل ہے
فیصلہ کیسے جدائی کا کیا ہے ہم نے
ایک اک لمحۂ ویران کی قیمت دل ہے
رتجگے، درد، جنوں، اشک، جلن، جاں سوزی
چند صفحات کے دیوان کی قیمت دل ہے
بزم دنیا میں شناسائی ذرا کم ہی رہے
ہر نئے چہرے سے پہچان کی قیمت دل ہے
ہم نے ہستی کو وفا کہہ کے پکارا انجم
کیا خبر تھی کہ اس عنوان کی قیمت دل ہے

سرفراز بزمی

قوم سے بیزار نقوی، آپ کو میرا سلام
حضرت مختار نقوی، آپ کو میرا سلام
صاحب ایمان ہو، عباس ہو، مختار ہو
زہر میں ڈوبی زباں لیکر ''ونے کٹیار'' ہو
چند روزہ زندگی کی ان بہاروں کے لئے
مودیوں کے، یوگیوں کے حاشیہ بردار ہو
امت خیرالبشر کے خون کا پیاسا ہے جو
ہے بڑا افسوس ! تم اس شاہ کے سالار ہو
داغ دامن کے اگر کچھ دھوسکوتو وقت ہے
قوم کے ماتھے پہ ورنہ ننگ ہو بس عار ہو
ہم کو اس سے کوئی بھی رشتہ نہیں مختار جو
مودیوں کا یار ہو اللہ کا غدار ہو
جعفر از بنگال، صادق از دکن تھے اور آج
دشمنان دین کے ہاتھوں میں تم اوزار ہو
اب کہاں کوئی سکندر بخت کو کرتا ہے یاد
دن ذرا بدلے تو پھرتم بھی وہاں بیکار ہو
یہ بتاؤ کونسی منطق ہے کیا اسباب ہیں
کیوں خدا کے واسطے نفرت سے یوں سرشار ہو
کون دے گا آپ کی ارتھی کو کندھا اور کفن
ان خدا والوں سے جب تم اس قدر بیزار ہو
واسطہ تم کو جناب حضرت عباس کا
تم اگر ان کربلا والوں کے پیروکار ہو
ہے قسم تم کو اسی شاہ امم سالار کی
جس شہ مختار کی نسبت سے تم مختار ہو
عافیت کا خیر کا رستہ ہے راہ مصطفیٰ
آہ! لیکن خیر کے رستے سے تم بیزار ہو
وقت نکلا جارہا ہے، ہے در توبہ کھلا
حر بنو، لشکر سے نکلو، حیدری للکار ہو
کب فرشتہ موت کا آجائے کس کو کیا خبر
اب پلٹ آؤ خدا را دل اگر بیدار ہو
اپنا سر اللہ کے آگے جھکے سب کے نہیں
یا اولی الالباب میں ہو جاؤ گر ہوشیار ہو
رب نے بخشی ہیں تمھیں دنیا کی ساری نعمتیں
حمد ہو اس کی بیاں اس سے ہی استغفار ہو
کاش مل جا تمہیں بھی دولت خیر الانام
میں تمہارے گھر پہ چلا آؤں اگر تیار ہو
ہاں کبھی ہوتا نہیں بھولوں میں اس کا نام تک
صبح کا بھولا اگر آجا گھر پر شام تک
میرا رب تجھ کو نوازے عزت و اکرام سے
بہرہ ور کردے حقیقی دولت اسلام سے

سیماب

نسیمِ صبح گلشن میں گلوں سے کھیلتی ہوگی
کسی کی آخری ہچکی کسی کی دل لگی ہوگی
تجھے دانستہ محفل میں جو دیکھا ہو تو مجرم ہوں
نظر آخر نظر ہے بے ارادہ اٹھ گئی ہوگی
مزا آجائے گا محشر میں کچھ سننے سنانے کا
زباں ہوگی ہماری اور کہانی آپکی ہوگی
یہی عالم رہا پردہ نشینی کا تو ظاہر ہے
خدائی آپ سے ہوگی نہ ہم سے بندگی ہوگی
تعجّب کیا لگی جو آگ اے سیمابؔ سینے میں
ہزاروں دل میں انگارے بھرے تھے، لگ گئی ہوگی

عظیم شاعر جون ایلیا کی یاد میں

افضال بیل

دل کو نگاہِ شوق سے نا آشنا نہیں کیا
جو بھی نظر کو بھا گیا دل سے جُدا نہیں کیا
یہ نارسائیاں سبھی دیتی تو ہیں آزُردگی
ان سے لیا ہے حوصلہ خود کو فنا نہیں کیا
وہ رُوپ یا سراب تھا چلمن میں ماہ تاب تھا
گر اُس کو عام کر دیا تو معرکہ نہیں کیا
جب چاند جاکے سو گیا جب راستہ بھی کھو گیا
ہم نے تو چاندنی سے بھی کوئی گِلہ نہیں کیا
مانا ہے ذوالجلال کو جس دم سے رب العالمیں
پھر اُس کے بعد دوسرا کوئی خدا نہیں کیا
بیلا کا دل بھی خُوب تھا اِسکا بھی تھا اُسکا بھی تھا
دل نے وفا کے نام پر کارِ وفا نہیں کیا

ڈاکٹر لبنیٰ عکس

وہ روشن جبیں وہ جھیل آنکھیں
وہ مسکراتے لب وہ رُخِ یار
وہ سیاہ حجاب میں چھپا مہتاب
وہ نور وہ روشنی وہ واحد بدن
خدایا خدارا میسر کر
وہ سارے کا سارا میسر کر
میسّر کر کہ وہی شخص میرا عشقِ مجاز ہے

میری طلب میری جستجو ہے
بس اک وہی ہوبہو ہے
میری تڑپن کو سکوں بخش
قرار دے مجھے، میرا یار دے مجھے

ڈاکٹر لبنیٰ عکس

گر دل میں تمہارے بے کلی نئیں
تو سمجھو تم سے ہوگی شاعری نئیں
بیاں ہو جس میں، میری کیفیت کا
ابھی ایسی غزل میں نے کہی نئیں
یہ میری شاعری، میرا جنوں ہے
یہ میرا عشق ہے بس دل لگی نئیں
مقام اپنا بنا نے کی ہے خواہش
تو یہ ہرگز، کسی کی ہمسری نئیں
میں جان ودل سے بس اِک آپ کی ہوں
یہ کس نے کہہ دیا، میں آپ کی نئیں
کوئی بھی آپ سا دِکھتا نہیں ہے
کسی کو بھی میں اب تو دیکھتی نئیں
تِری ہر اِک خوشی میری خوشی ہے
تجھے اِس بات کی، کوئی خوشی نئیں؟
تِری ہر بات دل پر سہہ گئی ہوں
شرافت ہے یہ میری، بزدلی نئیں
کئی اِک صورتیں دیکھی ہیں جو کہ
بہت اچھی ہیں لیکن آپ سی نئیں
محبّت تو فقط پہلی ہی کہنا
محبّت دوسری یا تیسری نئیں
نہ ہوں کمزور میرے فیصلے، سو
تبھی تو میں زیادہ سوچتی نئیں
اگر دے دے کوئی اِک بار دھوکا
تو اُس کی سمت پھر میں دیکھتی نئیں
کنارہ کرلیں قبل از وقت اِس سے
ارے دنیا، اب اتنی بھی بری نئیں
جہاں کردار بے معنی ہو لبنیٰ
مِری ایسی کسی سے دوستی نئیں
نہیں ہے زندگی میں عشق لبنیٰ
تو پھر وہ زندگی بھی کام کی نئیں

اُسے کچھ نہ ہو

مبارک صدیقی

اے مرے خدا مرے چارہ گر، اُسے کچھ نہ ہو
مجھے جاں سے ہے وہ عزیز تر، اُسے کچھ نہ ہو
ترے پاؤں پڑ کے دعا کروں سرِ دشت میں
مرے سر پہ ہے وہی اک شجر، اُسے کچھ نہ ہو
ترے ایک کُن سے ہیں موسموں کی یہ گردشیں
سو یہ حکم دے اِنہیں خاص کر، اُسے کچھ نہ ہو
وہ جو ایک پل تھا قبولیت کا مجھے ملا
تو کہا تھا خالقِ بحروبر اُسے کچھ نہ ہو
اے غنیمِ جاں چلو آج تجھ سے یہ طے ہوا
مجھے زخم دے بھلے عمر بھر اُسے کچھ نہ ہو
یونہی بے سبب میں اداس ہوں کئی روز سے
سو غزل کہی ہے یہ چشمِ تر اُسے کچھ نہ ہو

نسیم عباسی

قالین رہے ہیں نہ کوئی ٹاٹ رہا ہے
ٹوٹا ہوا یہ فرش مری کھاٹ رہا ہے
اب کون کرے وزن کسی چھوٹے بڑے کا
دنیا میں ترازو نہ کوئی باٹ رہا ہے
ہم اپنی کماں اپنی طرف کھینچ رہے تھے
دشمن کا کسے علم وہ کس گھاٹ رہا ہے
کچھ دیر مری چھاؤں میں رہنا ہے اسے بھی
جو بیٹھا ہوا میری جڑیں کاٹ رہا ہے
مجھ کو تو بھروسہ تھا نسیمؔ اس کی زباں پر
وہ شخص مگر تھو کا ہوا چاٹ رہا ہے

صالح اچھا

کیوں یہ بھنوروں کے دل دھڑکتے ہیں
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
ٹوٹ جاتی ہے نیند سورج کی
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
کتنی صبحوں میں جان پڑتی ہے
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
اک نیا گل ضرور کھلتا ہے
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
رنگ وبو کا صحیفہ کھلتا ہے
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
کیوں مچلتے ہیں تتلیوں کے پر
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
دل کے ارمان کیوں سسکتے ہیں
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
اشک آنکھوں سے کیوں ٹپکتے ہیں
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
کیوں چٹکتے ہیں دل کے شیشے بھی
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
وقت کا دل دھڑکنے لگتا ہے
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں
مسکراتا ہے آسماں صالحؔ
صحدم غنچے جب چٹکتے ہیں

امین اوڈیرائی

چار دناں دیاں دُھپاں چھاواں یاد رکھیں
مُڑ کے فیرنئیں آوَندیاں ماواں یاد رکھیں
میں ہوواں نا ہوواں مُکھ پرتاویں نا
میرا کچہ کوٹھا کاواں یاد رکھیں
اک نئیں دونئیں کنیاں اِی نیں سینے اِچ
میں جو تینوں گل سناواں یاد رکھیں
خورے کتھے کہڑے ویلے کم آ جانڑ
بے بے دیّاں سبھ دعاواں یاد رکھیں
میرا حیدرآبادتوں بھاویں چھڑ جاویں
پرایہ ٹھنڈیاں ٹھار ہواواں یادرکھیں
پیو دی موت تے ماں دے ساہواں باجھ امینؔ
دِتا جو کجھ بھین بھراواں یاد رکھیں

عاطف جاوید عاطف

میں اُس کے دَر سے لوٹنے کے مخمصے میں تھا
شب تابِ چشمِ یار تھا جو واسطے میں تھا
منظر پلٹ کے آنکھ سے باہر نہ جاسکا
جادو نگاہِ یار کے اُس حاشیے میں تھا
بکھرے ہوئے خیال کو ترتیب مِل گئی
مِلنا تِرا شمار مگر حادثے میں تھا
مجھکو کسی کے درد نے چونکا دیا کہ آج
حُزنِ بیاں بھی یار کسی قہقہے میں تھا
نِکلا نہ میری آنکھ کی پُتلی سے آج بھی
وہ دُور جا چکا تھا مگر دائرے میں تھا
میں زندگی کو چھوڑ کے اُس پار آ گیا
تُجھ دلربا کا نام مرے زائچے میں تھا
ممکن نہیں ہے لوٹنا اے رفتگاں مگر
اک لُطف عہدِ زیست تھا کہ ذائقے میں تھا

شاہ زمان بھنگر

ہم نے جو عمر گذاری
وہ بچپنا ہی تھا
عمر کی راہ گذر پر چلتے
یہ کبھی سوچ نہ آئی
کہ منزل ہے کہاں
واپسی کی تو کبھی سوچ نہ آئی شاید
حادثہ تب یہ اچانک گذرا
تم نے جب چھوڑ دیا یوں تنہا
یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ ہوا یہ کیسے
ہوش آئی تو ہر اک چیز کو بدلا پایا
اب یہ احساس ہوا ہے کہ بہت دیر ہوئی
زندگی تیری حقیقت کو سمجھنے میں ہمیں
زندگی، موت، حساب آخر
یہ فقط باتیں ہی لگتی ہیں تا وقتیکہ
کوئی تلخی نہ جکڑ لے آکر
یوں تو دنیا کے سبھی دکھ ہیں
ہمارے اپنے اک قیامت ہے مگر
جان سے پیاروں کو وداع کرنا بھی
یہ وچھوڑا ہی تو پیغام دیئے جاتا ہے
زندگی شام کی جانب ہی بڑھی جاتی ہے
آخرت تیری طرف تیز سفر جاری ہے

عاصی صحرائی

اے وطن کھا گئی تجھ کو کس کی نظر
روز ہوتی ہے کوئی نہ کوئی بری خبر
بے عمل، بدکار، راہزن بنے راہنما
علمائے سُو نے دی ہے دھند مچا
جاہل بنے عالم و پیر تسمہ پا
غلام آئے ہیں بنکر احرار نما
گولیاں جو دُشمنوں کے لئے بنوائی گئیں
اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں پر چلوائی گئیں
پیرہن اُمت ہوچکا ہے تار تار
وطن من لگتا ہے دنیا کا مرد بیمار
قوم کو پڑی ہے بہت ذلتوں کی مار
ہر کوئی بن گیا ہے آستین کا مار
نام و نشاں مٹ چکا ہے ایمان کا
بچہ بچہ ہوگیا ہے راشی پاکستان کا
عاد و ثمود اور لوطی، نصاریٰ اور یہود
”تم مسلماں ہیں کہ جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود“

سرفراز بزمی

رعشہ جہان کفر میں کانپی فضائے خیبری
اے کہ تیرے ورود سے لات وہبل میں تھرتھری
ثور و حرا ترا مقام جن و بشر ترے غلام
کاسہ بکف ترے حضور، سارا جہان قیصری
قبلہ بھی تو قبیل بھی کوثر و سلسبیل بھی
”تجھ پہ تمام ہوگئی دونوں جہاں کی رہبری“
تو نے عجب عطا کیا فقر وغنا کا فلسفہ
دل کا فقیر تو فقیر دل کی غنا تونگری
جنبش لب کی بات کیا رب کا کہا ترا کہا
اے کہ اشارہ بھی ترا شق قمر کا مظہری
تیرے قدم سے زلزلے قصر توہمات میں
ضرب باحد سے چور چور سارے بتان آذری
پل میں حرم سیقدس تک پل میں زمیں سیتا فلک

تیرے براق پر کہاں برق تپاں کو برتری
رونق بزم کن فکاں نازش حسن عرشیاں
تیرے غلام کے غلام، سارے جنید و سنجری
طائر دل اسیر شب، ساز حیات جاں بلب
سدرہ نشین تا کجا دربدری گداگری
دارو درد دل شہا! نغمۂ جاں فزا ترا
تیرا جمال دلربا کون و مکاں کی دلبری
خنجر طائف و احد روک سکے نہ تیری راہ
توڑ سکا نہ جبر ثور تیرا حصار بندگی
شاہ بھی شہسوار بھی، زاہد و شب گزار بھی
مظہر شرح ''الکتاب'' تیری تمام زندگی
اے کہ دیار نور تو اور میں تیرگی تمام
تیرے جنوں سے مرتعش قلب و نظر میں روشنی
ناقۂ بے زمام کو سو قطار کھینچ لوں
میرے سخن کا مدعا، میرا مدار شاعری
بزمِ کوچہ گرد پر ہو نہ حضور اگر نظر
کیسا غزل کا قافیہ، کیسی سخن شناوری

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

غم سے نہ کوئی اشک بہائے دعا کرو
راحت دل و نظر میں سمائے دعا کرو
رہتا ہے دور دور نگاہوں سے وہ سدا
اک دن ہمارے سامنے آئے دعا کرو
محفل میں اشکبار ہوں جس کیلئے میں وہ
تنہائیوں میں اَشک بہائے دعا کرو
منزل کو اپنی پا لیں سبھی اہلِ کاروان
رہزن نہ کوئی راہ میں آئے دعا کرو
پیمانۂ وصال میسر ہو بار بار
فرقت نہ ساری رات جگائے دعا کرو
احباب سوگوار ہوں دشمن ہوں خندہ زَن
وہ دن ہمیں خدا نہ دِکھائے دعا کرو
پیہم ملیں سبھی کو منوّر مسرتیں
بارِ اَلم نہ کوئی اُٹھائے دعا کرو

توقیر احمد خاں کراچی

صحرا کی گرم ریت پہ چلنا پڑا مجھے
تیرے غمِ فراق میں جلنا پڑا مجھے
ہجرتوں کی برکتوں سے بدلتی ہے زندگی
یہ سوچ کر کے گھر سے نکلنا پڑا مجھے
تاکہ بھرم رہے تری شعلہ نوائی کا
پھر مثلِ موم آج پگلنا پڑا مجھے
میری نظر کو سایۂ دیوار تھا عزیز
سورج کی طرح شام کو ڈھلنا پڑا مجھے
مشکل ترین وہ مرحلہ زندگی کا تھا
گر کر تری نظر سے سنبھلنا پڑا مجھے
اُس کو خبر نہیں ہے پسِ پردۂ نشاط
اک عمر بے کسی میں مچلنا پڑا مجھے
توقیرؔ ایک شخص کی خاطر کئی برس
اپنی طبیعتوں کو بدلنا پڑا مجھے

عامر یوسف لاہور

ایک خُم اور سہی زیرِ خمار اے ساقی
راز کھلنے ہیں ابھی دل میں ہزار اے ساقی
حسن کے ہاتھ کھلے سرخیِ گل رنگ حنا
عشق کے ہاتھ لگے پھر سے بہار اے ساقی
شعلۂ نیم نظر سوزِ جگر میں آتش
سینہ روشن ہے مرا سوز و فگار اے ساقی
نگہِ شوخ ہوا منہجِ تحقیق نظر
ہو گئے کشف و کرامات و مزار اے ساقی
دشت و صحرا میں وہی خونِ عروسِ لالہ
اب بھی آشفتہ دل و دشت و حصار اے ساقی
آتشِ رفتہ وہی گردشِ افلاکِ کہن
آتشِ عشق ہوئے سرخ چنار اے ساقی
پھر کفِ دستِ سرِ دار پہ سر رکھ عامرؔ
ترے دیوانے ہیں تیرے جاں نثار اے ساقی

انور مسعود

کھویا کھویا سا، لگوں الجھا ہوا
جانے پاگل دل کو میرے کیا ہوا
جانِ جاں یادوں کا تیری سلسلہ
دل کے چاروں اور ہے پھیلا ہوا
عالمِ ارواح یقیناً پاس تھے
آپ کا چہرہ لگے دیکھا ہوا
مڑ دیکھا تھا کسی گُل پوش کو
اِس لئے یارو میں پتھر کا ہوا
آپ محلوں کے مکیں ہیں اور میں
مفلسی کے ہاتھ سے مارا ہوا
پھر بھی میری آرزو خلدِ بریں
گو کہ میں جنت سے ہوں آیا ہوا
دیکھو شاہد دکھ مری تحریر کا
نافہ آہو میں ہے رکھا ہوا

شاہد علی ہاشمی

تجھے مجھ سے مجھ کو تجھ سے جو بہت ہی پیار ہوتا
نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا

ترا ہر مرض الجھتا مری جان ناتواں سے
جو تجھے زکام ہوتا تو مجھے بخار ہوتا
جو میں تجھ کو یاد کرتا تجھے چھینکنا بھی پڑتا
مرے ساتھ بھی یقیناً یہی بار بار ہوتا
کسی چوک میں لگاتے کوئی چوڑیوں کا کھوکھا
ترے شہر میں بھی اپنا کوئی کاروبار ہوتا
غم و رنج عاشقانہ نہیں کی کیلکولیٹرانہ
اسے میں شمار کرتا جو نہ بے شمار ہوتا
وہاں زیر بحث آتے خدوخال وخوئے خوباں
غم عشق پر جوانورؔ کوئی سیمینار ہوتا

ڈاکٹر ظفر جاذب

میں ترا درد بھی مسکان میں رکھ لیتا ہوں
مثل سوغات وہ احسان میں رکھ لیتا ہوں
کچھ تو کمرے میں ترے جسم کی خوشبو آئے
تری تصویر کو گلدان میں رکھ لیتا ہوں
جب گذرتا ہوں ترے کوچۂ و بازاروں سے
میں تری دید کو امکان میں رکھ لیتا ہوں
کسی مشکل سے نکلنا ہو تو آسانی کو
ماں ترا چہرہ میں وجدان میں رکھ لیتا ہوں
ہمسفر بن کے مرا ساتھ نبھائیں جاذبؔ
اس کی یادوں کو میں سامان میں رکھ لیتا ہوں

انور ندیم علوی

کتنی بدلی سارے گلشن کی فضا؟ کیسے کہوں
اُڑ گئی امن و سکوں کی فاختہ کیسے کہوں
بے اماں ہیں سب پرندے کیا ہوا؟ کیسے کہوں
ہمصفیرو! آشیاں کیسے جلا؟ کیسے کہوں
گھٹتے گھٹتے مٹ گیا انساں کا سایہ مگر
بڑھتے بڑھتے بن گئے بندے خداس کیسے کہوں
ایک منزل راستے بھی ایک تھے اپنے کبھی
دو دلوں میں بڑھ گیا پھر فاصلہ کیسے کہوں
کوئی خوشبو ساتھ چلتی ہے سدا جیسے نسیم
جو بسا ہے روح میں اس کو جدا کیسے کہوں
بے وفا محبوب جیسی زندگی انور ندیمؔ!
روٹھ کر چل دی اچانک کیا ہوا کیسے کہوں

عذرا ناز

کیسے کیسے خواب دکھائے آنکھوں نے
جانے کتنے دھوکے کھائے آنکھوں نے
چہروں سے اندازہ کرنا مشکل ہے
کتنے گہرے راز چھپائے آنکھوں نے
آج بڑی ویران دکھائی دیتی ہیں
کل مستی کے جام لٹائے آنکھوں نے
اک پل میں ہی سارے چکنا چور ہوئے
شیشے کے جو محل بنائے آنکھوں نے
اب جاکر احساس ہوا سب جھوٹے تھے
جتنے بھی منظر دکھلائے آنکھوں نے
اک پل مڑ کے دیکھا جانے والے نے
ساون بھادوں اشک بہائے آنکھوں نے

شریف خالد

دل ہی تھے ہم دُکھے ہوئے اس نے دُکھا لیا تو کیا
اتنی سی بات کو بڑا اس نے بنا لیا تو کیا
خدمت خلق ہی تو ہے حسن عمل کا شاہکار
تونے کسی فقیر کو در سے اُٹھا دیا تو کیا
اُن کی تو جوتیوں پہ ہے رنگِ حنا سجا ہوا
ماتھے پہ میں نے شوق سے تلک لگا لیا تو کیا
اُس کے تو گھر میں صبح و شام محفلیں ہیں سجی ہوئی
میں نے کسی حسین سے ہاتھ ملا لیا تو کیا
نظروں سے کب نہاں ہوا آپ کا حسنِ دلفریب
اُس کو دکھا دیا تو کیا مجھ سے چھپا لیا تو کیا
میرے تصورات میں جلوہ فگن ہیں ہر گھڑی
راہوں پہ آپ نے اگر پہرہ بٹھا دیا تو کیا

طفیل عامر

مک دی گل مکاواں یارا
تیرے صدقے جاواں یارا
جے ہل جاندا عرش تے سن
لے ڈھبن نہ ہاواں یارا
بھکھا مرے گوانڈی میرا
چوپڑیاں کیہ کھانواں یارا
تیتھوں وکھ جیوناں کاہدا
میں تیرا پرچھاواں یارا
جیوندیاں واتنہ لئیندے جیہڑے
روندے مار کے ڈھاواں یارا
میرا دل اے تیرے آیاں
مکن میریاں ساہواں یارا
ٹٹن جے کر اپنیاں عامرؔ
آوَندیاں گل نوں بانہواں یارا

ڈاکٹر مقصود جعفری

میں تو میانِ خلق ہی رہتا ہوں روز و شب
مانوس کیسے کرتی یہ رہبانیت مجھے
انساں کا درد رکھتا ہوں مقصود جعفری
کہتے ہیں لوگ شاعرِ انسانیت مجھے

بشارت احمد بشارت

عشق چناں وچ تر جاواں گا
پیار نوں زندہ کر جاواں گا
میں سولی تے چڑھنا جانا
موت کولوں نہ ڈردا جانا
میں عاشق نہ ہر جاواں گا
صدق وفا دی دولت لے کے
چاہت والے پینڈے پے کے
طوفاناں نال لڑ جاواں گا
ہتھ وچ پیاردا لانبو چا کے
وَیر کرودھ نوں اگاں لاکے
امن دی پوڑھی چڑھ جاواں گا
دل وچ سب دا درد وسا کے
ظلم دے سارے محل گراکے
پیار دے سوہنے گھر جاواں گا

فرزانہ فرحت

یہ نہ سوچا تھا کہ تو ایسے بچھڑ جائے گا
کون سے گاؤں میں یا کس کے شہر جائے گا
مانگ لیتی ہوں دعا روز کہ شاید اک دن
تجھ تلک میری عبادت کا اثر جائے گا
تو مسیحا تھا جو کرتا تھا مسیحائی مری
تو نہ ہوگا تو یہ بیمار کدھر جائے گا
تیرے بیمار کو تیری ہی دوا لازم ہے
تجھ کو ڈھونڈے گا یہ بیمار جدھر جائے گا
میری قسمت میں تو کانٹے ہی لکھے ہیں فرحتؔ
ساتھ میرے نہیں کانٹوں کا ثمر جائے گا

احمد فراز

دل سُلگتا ہے مگر سوختہ جانی کم ہے
شعر کیا ہوں کہ طبیعت میں روانی کم ہے
زیست اک آدھ محبت سے بسر ہو کیسے
رات لمبی ہو تو پھر ایک کہانی کم ہے
تجھ سے کہنا تو نہیں چاہیئے پر کہتے ہیں
ہم نے بھی دولتِ جاں اب کے لٹانی کم ہے
دل کو کیا روئیں کہ جب سُوکھ گئی ہوں آنکھیں
شہر ویراں ہیں کہ دریاؤں میں پانی کم ہے
ہم نے اندوہِ زنانہ سے نہ خم کھایا تھا
شاید اب یوں ہے کہ آشوبِ جوانی کم ہے
جس طرح سانحے گزرے ہیں تیری جاں پہ فرازؔ
اس کو دیکھیں تو یہ آشفتہ بیانی کم ہے

رشید قیصرانی

وہ تو جب بولتے ہیں کون و مکاں بولتے ہیں
تم ڈرو ان سے جو اشکوں کی زباں بولتے ہیں
کل وہی لفظ ہی میزانِ سُخن ٹھہریں گے
بند ہونٹوں سے جو یہ لب زدگاں بولتے ہیں
تم کو معلوم نہیں شہر پناہوں والو
کس قیامت کی زباں سیلِ رواں بولتے ہیں
چاہنے والے گزر جاتے ہیں چپ چاپ مگر
کوچۂ یار میں قدموں کے نشاں بولتے ہیں
والئ صوت و صدا کے جو مصاحب ہیں رشیدؔ
خامشی میں بھی کراں تا بہ کراں بولتے ہیں

کر رہا تھا غم جہاں کا حساب
آج تم یاد بے حساب آئے

محمد اسحاق اطہر

ذلیل اُن کو سمجھ کر لاکھ دھتکارے زمانہ
نہیں ہے پاس جن کے سر چھپانے کو ٹھکانہ
سکوں ملتا ہے ان کو کام جب آئیں کسی کے
بلائیں جب مدد کو وہ نہیں کرتے بہانہ
بظاہر پاس اُن کے تو نہیں ہے مال و دولت
ہیں کرتے شکر جو ہے پاس ایماں کا خزانہ
نہیں کرتے وہ شکوہ ہو کوئی بھی دکھ مصیبت
ہیں گاتے حمد کا ہر حال میں ہی وہ ترانہ
کبھی ہوتی نہیں مظلوم کی رَد بد دعائیں
خطا اس تیر سے ہوتا نہیں کوئی نشانہ

ڈاکٹر مقصود جعفری

خون پیتے یہ درندے نہیں دیکھے جاتے
ایسے انسانوں کے چہرے نہیں دیکھے جاتے
در بدر پھرتے ہیں یہ نانِ جویں کی خاطر
مجھ سے یہ پھول سے بچّے نہیں دیکھے جاتے
وہ بھی دن تھے کہ پڑھا کرتے تھے لوحِ محفوظ
اب تو افلاک کے پردے نہیں دیکھے جاتے
اپنے سائے سے بھی اب خوف مجھے آتا ہے
پسِ دیوار بھی سائے نہیں دیکھے جاتے
درد انسان کو انساں سے ملا دیتا ہے
درد میں اپنے پرائے نہیں دیکھے جاتے
کس طرح قیدِ قفس میں اِنہیں دیکھوں صیّاد
پر شکستہ یہ پرندے نہیں دیکھے جاتے
ظلمتِ شب نے کیا جعفری ایسا بے نُور
شب گزیدہ یہ سویرے نہیں دیکھے جاتے

اُردو زُبان کا خون کیسے ہوا اور کون ذمہ دار ہے؟

رجل خوشاب

یہ ہماری پیدائش سے کچھ ہی پہلے کی بات ہے جب مدرسہ کو اسکول بنا دیا گیا تھا۔لیکن ابھی تک انگریزی زبان کی اصطلاحات دورانِ تعلیم استعمال نہیں ہوتی تھیں۔صرف انگریزی کے چند الفاظ ہی مستعمل تھے مثلاً: ہیڈ ماسٹر، فیس، فیل، پاس وغیرہ گنتیا بھی کونٹنگ میں تبدیل نہیں ہوئی تھی۔اور پہاڑے ابھی ٹیبل نہیں کہلائے تھے۔ 60 کی دھائی میں چھوٹے بچوں کو نام نہاد پڑھے لکھے گھروں میں خدا حافظ کی جگہ ٹاٹا سکھایا جاتا اور مہمانوں کے سامنے بڑے فخر سے معصوم بچوں سے ٹاٹا کہلوایا جاتا۔زمانہ آگے بڑھا، مزاج تبدیل ہونے لگے۔عیسائی مشنری سکولوں کی دیکھا دیکھی کچھ نجی (پرائیوٹ) سکولوں نے انگلش میڈیم کی پیوندکاری شروع کی۔

سالانہ امتحانات کے موقع پر کچھ نجی (پرائیویٹ) سکولوں میں پیپر جبکہ سرکاری سکول میں پرچے ہوا کرتے تھے۔پھر کہیں کہیں استاد کو سر کہا جانے لگا اور پھر آہستہ آہستہ سارے اساتذہ ٹیچرز بن گئے۔پھر عام بول چال میں غیر محسوس طریقے سے اردو کا جو زوال شروع ہوا وہ اب تو نہایت تیزی سے جاری ہے۔اب تو یاد بھی نہیں کہ کب جماعت، کلاس میں تبدیل ہوگئی۔ اور جو ہم جماعت تھے وہ کب کلاس فیلوز بن گئے۔ہمیں بخوبی یاد ہے کہ 50 اور 60 کی دھائی میں اول، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، ہشتم، نہم اور دہم، جماعتیں ہوا کرتی تھیں، اور کمروں کے باہر لگی تختیوں پر اسی طرح لکھا ہوتا تھا۔

پھر ان کمروں نے کلاس روم کا لباس اوڑھ لیا اور فرسٹ سے ٹینتھ کلاس کی نیم پلیٹس لگ گئیں۔تفریح کی جگہ ریسیس اور بریک کے الفاظ استعمال ہونے لگے۔گرمیوں کی چھٹیوں اور سردیوں کی چھٹیوں کی جگہ سمر ویکیشن اور وِنٹر ویکیشن آ گئیں۔چھٹیوں کا کام چھٹیوں کا کام نہ رہا بلکہ ہولیڈے پریکٹس ورک ہو گیا۔پہلے پرچے شروع ہونے کی تاریخ آتی تھی اب پیپرز کی ڈیٹ شیٹ آنے لگی۔امتحانات کی جگہ ایگزامز ہونے لگے۔ششماہی اور سالانہ امتحانات کی جگہ مڈٹرم اور فائینل ایگزامز کی اصطلاحات آ گئیں۔ اب طلباء امتحان دینے کیلئے امتحانی مرکز نہیں جاتے بلکہ سٹوڈنٹس ایگزامکیلئے ایگزامینیشن سینٹر جاتے ہیں۔قلم، دوات، سیاہی تختی اور سلیٹ جیسی اشیاء گویا میوزیم میں رکھ دی گئیں ان کی جگہ لیڈ پنسل، جیل پین اور بال پین آ گئے۔کاپیوں پر نوٹ بکس کا لیبل ہو گیا۔نصاب کو کورس کہا جانے لگا اور اس کورس کی ساری کتابیں بستہ کے بجائے بیگ میں رکھ دی گئیں۔ریاضی کو میتھس کہا جانے لگا۔اسلامیات اسلامک سٹڈی بن گئی۔انگریزی کی کتاب انگلش بک بن گئی۔ اسی طرح طبیعیات، فزکس میں اور معاشیات، اکنامکس میں، سماجی علوم، سوشل سائنس میں تبدیل ہوگئے۔پہلے طلبہ پڑھائی کرتے تھے اب اسٹوڈنٹس سٹڈی کرنے لگے۔پہاڑے یاد کرنے والوں کی اولادیں ٹیبل یاد کرنے لگیں۔اساتذہ کیلئے میز اور کرسیاں لگانے والے، ٹیچرز کے لیے ٹیبل اور چیئرز لگانے لگے۔داخلوں کی بجائے ایڈمشنز ہونے لگے۔.... اول، دوم، اور سوم آنے والے طلبہ؛ فرسٹ، سیکنڈ، اور تھرڈ آنے والے سٹوڈنٹ بن گئے۔پہلے اچھی کارکردگی پر انعامات ملا کرتے تھے پھر پرائز ملنے لگے۔بچے تالیاں پیٹنے کی جگہ چیئرز کرنے لگے۔یہ سب کچھ سرکاری سکولوں میں ہوا ہے۔اور تعلیمی اداروں کا رونا ہی کیوں رویا جائے، ہمارے گھروں میں بھی اردو کو یتیم اولاد کی طرح ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہے۔زنان خانہ اور مردانہ تو کب کے ختم ہو گئے۔خواب گاہ کی البتہ موجودگی لازمی ہے تو اسے ہم نے بیڈ روم کا نام دے دیا۔باورچی خانہ کچن بن گیا اور اس میں پڑے برتن کراکری کہلانے لگے۔غسل خانہ پہلے باتھ روم ہوا پھر ترقی کر کے واش روم بن گیا۔مہمان خانہ یا بیٹھک کو اب ڈرائنگ روم کہتے ہوئے فخر محسوس کیا جاتا ہے۔

مکانوں میں پہلی منزل کو گراونڈ فلور کا نام دے دیا گیا اور دوسری منزل کو فرسٹ فلور۔ دروازہ ڈور کہلایا جانے لگا، پہلے مہمانوں کی آمد پر گھنٹی بجتی تھی اب ڈوربیل بجنے لگی۔کمرے روم بن گئے۔کپڑے الماری کی بجائے کپبورڈ میں رکھے جانے لگے ابو جی یا ابا جان جیسا پیارا اور ادب سے بھرپور لفظ دقیانوسی لگنے لگا، اور ہر طرف ڈیڈی، ڈیڈ، پاپا، پپّا، پاپے کی گردان لگ گئی حالانکہ پہلے تو پاپے (رس) صرف کھانے کے لئے ہوا کرتے تھے اور اب بھی کھائے ہی جاتے

ہیں۔اسی طرح شہد کی طرح میٹھا لفظ امی یا امی جان ممی اور مام میں تبدیل ہوگیا۔سب سے زیادہ نقصان رشتوں کی پہچان کا ہوا۔چچا، چچی، تایا، تائی، ماموں ممانی، پھوپھا، پھوپھی، خالو خالہ سب کے سب ایک غیر ادبی اور بے احترام سے لفظ انکل اور آنٹی میں تبدیل ہوگئے۔بچوں کے لیے ریڑھی والے سے لے کر سگے رشتہ دار تک سب انکل بن گئے یعنی محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے۔ساری عورتیں آنٹیاں، چچازاد، ماموں زاد، خالہ زاد بہنیں اور بھائی سب کے سب کزنس میں تبدیل ہوگئے، نہ رشتے کی پہچان رہی اور نہ ہی جنس کی۔

نہ جانے ایک نام تبدیلی کے زد سے کیسے بچ گیا۔گھروں میں کام کرنے والی خواتین پہلے بھی ماسی کہلاتی تھیں اب بھی ماسی ہی ہیں۔گھر اور سکول میں اتنی زیادہ تبدیلیوں کے بعد بازار انگریزی کی زد سے کیسے محفوظ رہتے۔دکانیں شاپس میں تبدیل ہوگئیں اور ان پر گاہکوں کی بجائے کسٹمرز آنے لگے، آخر کیوں نہ ہوتا کہ دکان دار بھی تو سیلز مین بن گئے جس کی وجہ سے لوگوں نے خریداری چھوڑ دی اور شاپنگ کرنے لگے سڑکیں روڈز بن گئیں کپڑے کا بازار کلاتھ مارکیٹ بن گئی، یعنی کس ڈھب سے مذکر کو مونث بنادیا گیا۔کریانے کی دکان نے جنرل اسٹور کا روپ دھارلیا نائی نے باربر بن کر حمام بند کردیا اور ہیئر کٹنگ سیلون کھول لیا۔ایسے ماحول میں دفاتر بھلا کہاں بچتے۔پہلے ہمارا دفتر ہوتا تھا جہاں مہینے کے مہینے تنخواہ ملا کرتی تھی، وہ اب آفس بن گیا اور منتھلی سیلری ملنے لگی ہے اور جو کبھی صاحب تھے وہ باس بن گئے۔ ***

سرداریاں...دو داماد

بشارت احمد چیمہ

پاکستانی سیاست کے دو سیاسی داماد، ایک انتہائی سمجھدار، تیز دماغ اور معاملہ فہم جبکہ دوسرا سادہ لوح اور موٹے دماغ کا ثابت ہوا۔دونوں پاکستانی سیاست کے دو سب سے بڑے خاندانوں میں بیاہے گئے جو آپس میں ہمیشہ ایک دوسرے کے سخت مخالف رہے ہیں۔ایک بھٹو کا داماد اور دوسرا شریف خاندان کا داماد بنا اور دونوں کو دو دو سالے ملے۔ایک کی بیوی آکسفورڈ کی پڑھی اور دوسرے کی بیوی بمشکل میڈیکل کالج میں داخلہ ملنے کے بعد بھی ڈراپ ہوگئی۔بھٹو کے داماد کے سالے بھی قابل تھے لہٰذا داماد نے بھی اپنے دماغ کو خوب خرچ کیا جبکہ شریفوں کے داماد کے سالے بھی سادہ اور موٹے دماغ کے ساتھ ساتھ یہ خود بھی موٹے اور داماد بھی سادہ ہی نکلا لیکن اللہ دونوں دامادوں پہ مہربان تھا۔دونوں میں یہ بھی خوب مشترک بات ہے کہ دونوں نے جیل کاٹی لیکن بھٹو کے داماد نے جیل بھی کاٹی تو بڑے بڑے کیسوں میں اور حاصل بھی بہت کچھ کیا لیکن میاں صاحب کے داماد نے چھوٹے چھوٹے کیسوں میں جیل بھی کاٹ لی اور بدنامی بھی لی لیکن حاصل کچھ نہیں ہوا۔دونوں کی بیگمات نے کچھ عرصے بعد دونوں کو منہ لگانا چھوڑ دیا لیکن رشتہ ضرور نبھاتی رہیں۔

ایک اپنے تیز دماغ اور معاملہ فہمی سے ملک کا صدر بن گیا اور سسرال کے گھر پہ راج کرنے لگا لیکن دوسرا سسرال والوں سے اقامے لے کے پندرہ سو درہم کا ملازم بن گیا۔ایک نے سسر کی پارٹی سنبھال لی اور پانچ سال اپنے شاطر دماغ سے تاریخ میں پہلی دفعہ حکومت کی مدت پوری کی جبکہ دوسرا ایم این اے تو ایک دفعہ بن گیا لیکن بیگم کو خوش کرنے کے جتن زیادہ کرنے لگا۔ایک کا سسرا اپنے نظریے کی وجہ سے سولی پہ لٹک گیا جبکہ دوسرے کا سسر دو دفعہ نظریہ ضرورت کے مطابق ملک سے ہی فرار ہوگیا۔لیکن اب کہانی میں نیا موڑ آیا ہے جب دونوں خاندانوں میں قربتیں ہو رہی ہیں۔بھٹو کے داماد کے بارے میں میاں صاحبان کے سخت روّیے اور بیانات بھٹو کا داماد بھولا تو نہیں اور تیز دماغ بھی ہے اس نے مفاہمت کی اور خود پیچھے ہو کے اپنے بیٹے کو آگے کردیا۔میاں صاحب کا داماد ہمراہ اپنی بیگم کراچی میں بھٹو کے داماد کا مہمان بنا تو مزار قائد پہ اپنی کم عقلی اور بیگم کو خوش کرنے کے جتن کرتے ایف آئی آر کروا بیٹھا۔رات بھٹو کے نواسے کے مہمان رہے لیکن صبح بھٹو کے داماد کے تیز اور شاطر دماغ نے کروٹ بدلی اور سندھ پولیس کمرے میں بھیج کے میاں کا داماد گرفتار کروا دیا۔شام تک تھانے میں رکھا اور پھر ضمانت پہ رہائی بھی کروادی اور آئی جی کے اغواء کا ایسا کھیل رچایا اور سارا معاملہ وفاق اور رینجر پہ ڈال دیا اور میاں کی بیٹی اور داماد کو وہی کچھ دیکھا یا جو وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اسٹیبلشمنٹ نے اور وفاق نے ان کے ساتھ یہ کیا ہے۔وہ پنجابی میں کہتے ہیں نا کہ پیوں پیوں کے چھتر مارنا یعنی گیلے کر کر کے جوتے مارے اور سمجھ بھی نہیں آنے دی۔دونوں دامادوں میں اصل فرق یہی ہے ایک شاطر جبکہ دوسرا چول ہے۔

افسانہ: عبدالقدیر کوکب

عورت برائے فروخت

غیرتِ انسان کو زندہ کر دینے والی تحریر

وہ شکل سے شریف گھر کی بیٹی لگ رہی تھی میں پاس گیا میرے قریب ہو کر بولی چلو گے صاحب میں نے پوچھا کتنے پیسے لو گی کہنے لگی آپ کتنے دیں گے میں نے اس کی نیلی سی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا وہ بے بس سی تھی میں نے بولا آؤ کار میں بیٹھو وہ ڈر رہی تھی کہنے لگی کتنے آدمی ہو میں نے کہا ڈرو نہیں میں اکیلا ہی ہوں وہ خاموش بیٹھی رہی پھر کہنے لگی آپ مجھے سگریٹ سے اذیت تو نہیں دو گے نا میں مسکرایا بالکل بھی نہیں پھر اس نے ایک لمبی سانس بھری آپ میرے ساتھ کوئی ظلم تو نہیں کریں گے نا آپ چاہے مجھے 500 کم دے دینا لیکن میرے ساتھ برا نہ کرنا پلیز وہ بہت خوبصورت تھی معصومیت اس کی باتوں سے ٹپک رہی تھی پھر بھی خدا جانے وہ کیوں جسم بیچنے پہ مجبور تھی وہ نہیں جانتی تھی میں کون ہوں میں نے پوچھا کھانا کھایا ہے کہنے لگی نہیں میں ہوٹل کے سامنے کار رُکی۔ ہوٹل والا مجھے جانتا تھا اس نے جلدی سے کھانا پیک کیا مجھے دیا۔

میں کار میں بیٹھ گیا آ کر میں اپنے آفس کی طرف چل دیا چوکیدار نے دروازہ کھولا میں کار پارک کی رات کے 11 بج رہے تھے سب اپنا اپنا کام کر رہے تھے وہ مسلسل میری طرف دیکھے جا رہی تھی میں نے کھانا پلیٹ میں ڈالا اسے کہا ہاتھ دھو لو وہ کہنے لگی میں نے نہیں کھانا میں نے پیار سے کہا ڈرو نہیں کچھ نہیں ہو گا وہ ہاتھ دھو کر آئی میرے سامنے کرسی پہ بیٹھ گئی اور کھانا کھانے لگی جب کھانا کھا لیا تو کچھ کھانا بچ گیا کہنے لگی یہ میں گھر لے جا سکتی ہوں میں مسکرایا بالکل بھی نہیں وہ چپ ہو گئی برقع اُتارنے لگی میں نے کہا رُک جائیں میرے پاس آ کر بیٹھ جائیں۔ وہ حیران تھی میری آنکھوں میں دیکھ کر بولی جلدی سے اپنا کام کریں مجھے واپس چھوڑ آئیں میں نے کہا نہیں پوچھوں گا کیوں کرتی ہو ایسا کیوں بیچتی ہو جسم۔ بس اتنا کہوں گا چھوڑ سکتی ہو کیا یہ سب۔ وہ میرے چہرے کی طرف دیکھنے لگی آپ پاگل لگ رہے ہیں مجھے میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہاں پاگل ہی ہوں میں۔ سب پاگل ہی سمجھتے ہیں مجھے۔ وہ کہنے لگی اگر کچھ کرنا نہیں ہے تو مجھے واپس چھوڑ کر آؤ میں نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا پھر پرس سے 30k نکالے اس کے ہاتھ پہ رکھے وہ حیران تھی کہنے لگی میں نے نہیں لینے آپ کیوں دے رہے ہیں یہ پیسے مجھے میں نے اس کے چہرے پہ ایک تھکن محسوس کی تھی وہ اپنے آنسو روکے بیٹھی تھی بار بار کہہ رہی تھی مجھے بس واپس چھوڑ کر آؤ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

میں نے اسے یقین دلایا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا بتاؤ نا بہت درد دیا نا زندگی نے یہ سننا تھا اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں جیسے کوئی قیامت گر گئی ہو اس پہ میں سمجھ چکا تھا کوئی بہت بڑا درد لیئے گھوم رہی ہے دروازہ کھولا کا نپتی آواز میں بولی مجھے چھوڑ کر آؤ واپس میں نے اُسے بیٹھنے کا کہا بتایا میرا نام نعمان راجپوت ہے ڈرو نہیں خود کو محفوظ سمجھو اسے جب یقین ہو گیا پریشانی والی کوئی بات نہیں تو بتانے لگی شوہر مر گیا تین بیٹیاں ہیں سسرال والوں نے نکال دیا۔ ماں باپ فوت ہو چکے ہیں بھائی کوئی ہے نہیں، ماموں کے گھر آئی ماموں کے بیٹے نے میرے ساتھ زیادتی کی، میں نے جب مامی کو بتایا تو سب نے مجھے غلط کہا مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ دور کے رشتہ دار نے ایک بڈھے سے میری شادی کروائی۔ اس کے بھی بچے تھے اس کے بچوں نے مجھے بہت ذلیل کیا پھر وہ شوہر بھی فوت ہو گیا بیٹیوں کو در بدر لیئے بھٹکنے لگی نہ چھت تھی نہ روٹی تھی بھوک افلاس تھی سڑک پہ کھڑی تھی ایک صاحب آئے کہنے لگے ایک گھنٹے کے 5 ہزار دوں گا نہ چاہتے ہوئے ماں کی ممتا حالات کی ستائی ہوئی کیا کرتی آخر چل دی اب ہر روز جسم بیچتی ہوں کرائے کا گھر لیا ہے بیٹیوں کو اکیلا چھوڑ کر آتی ہوں کیا کروں بہت بار سوچا خودکشی کر لوں لیکن بیٹیوں کو دیکھ کر ہمت نہیں ہوتی وہ رو رہی تھی میں زمانے کی بے حسی محسوس کر رہا تھا اس کے سر پہ ہاتھ رکھا اسے کہا نعمان تمہارا بھائی ہے آج سے تم اپنی بیٹیوں کو لو اور میرے آفس کے اوپر والے ایک روم میں رہو وہ یقین نہیں کر پا رہی تھی کار میں بٹھایا اس کے گھر پہنچا بیٹیاں سوئی ہوئی تھیں بہت پیاری تھیں گود میں اُٹھایا دل کو سکون ملا وہ مسلسل روئے جا رہی تھی مجھے کہنے لگی آپ فرشتے ہیں آپ کون ہیں میں اسے اپنے آفس لے آیا وہ دعائیں دینے لگی جھولی اُٹھا کر نہ جانے کتنی دعائیں دیتی رہی میں نے اُسے کہا جا کر سو جائیں اپنے آفس روم میں گیا میرے سامنے سے وہ چہرہ گزرا جو ایک لڑکی اپنے شوہر سے جھگڑ رہی تھی اسے کہہ رہی تھی مجھے طلاق دو تم کو میری قدر ہی نہیں ہے وہ اپنا گھر جلا رہی تھی اپنی بے وقوفی کی وجہ سے وہ بیچاری کیا جانے زمانے کی تلخیاں کیا ہوتی ہیں زمانے کا ڈسنا کیا ہوتا ہے میں بتانا چاہتا تھا اپنا گھر جان بوجھ کر اُجاڑنے والی لڑکیوں کو طلاقیں لینا آسان ہے اس کے بعد جینا موت ہے کبھی ساس کا رونا کبھی نند کا سیاپا کبھی جٹھانی سے لڑائی یہ ہر گھر کی بات ہے اس کا ہرگز مطلب طلاق لینا یا گھر اُجاڑنا نہیں ہے کم عمری میں ہی میرے سر کے بال سفید ہو

گئے ہیں ہزاروں آنکھوں کے آنسو دیکھ کر اپنے گھروں کو آباد رکھو خدا کی قسم ایک وقت آتا ہے کہ نا بھائی حال پوچھتے ہیں ناسگی بہنیں سب وقت کے ساتھ چہرے کے نقاب بدل لیتے ہیں نعمان ہر جگہ ہر کسی کو تھامنے کے لیئے کھڑا نہیں ملے گا ہاں میری قلم شاید کسی کو بربادی سے پہلے بچالے ہمسفر کیسا بھی ہے وہ تمہاری ڈھال ہے شادی کے بعد سگے بھائی سے خرچہ لینا بھی بھیک مانگنے جیسا لگتا ہے میری باتیں وہ عورت سمجھ سکتی ہیں جس پہ ایسا کچھ گزرا ہو ہمسفر جیسا بھی ہے وہ تمہارا لباس ہے یاد رکھنا زمانے کے لیئے تم صرف گوشت کا ایک ٹکڑا ہو وہ زمانے گزرے مدت ہوئی جب رشتوں کا پاس رکھا جاتا تھا اب رشتوں سے کھیلا جاسکتا ہے ہوس پوری کی جاسکتی ہے پھر پھینک دیا جاتا ہے۔ ہاں قسمت میں لکھا ہم بدل نہیں سکتے لیکن قسمت خود لکھ بھی سکتے ہیں صبر برداشت اور جھک کر نہ جانے کتنی عورتیں صرف اس لیئے گھر اُجاڑ لیتی ہیں کے اس کا شوہر اس کو ٹائم نہیں دیتا ہاں یہ شکوہ کرنا درست ہے لیکن کیا گارنٹی ہے اس کے بعد زندگی میں آنے والا اس سے بھی زیادہ برا ہو صرف ایک زندگی ہے اس کو محبت پیار سمجھداری کے ساتھ گزار لو میں اس معاشرے کو معاشرہ نہیں کہتا بلکہ بدبودار سماج کہتا ہوں یہاں جگہ جگہ پہ لٹیرے کھڑے ہیں عزتوں کے خواہشوں کے بھرم کے بھروسے کے اعتبار کے...بس آخر پہ ایک بات کہوں گا اگر تم کو پیٹ بھرنے کے لیئے چار دیواری سے باہر نہیں جانا پڑ رہا اگر تم کو جسم نہیں بیچنا پڑ رہا اگر تمہارے سر پہ چادر ہے۔

اگر لوگ تمہارا سودا نہیں کرتے اگر لوگ تم کو وحشیہ نہیں کہتے اگر تمہارا دامن پاکیزہ ہے اگر تم رات کو محفوظ پناہ گاہ میں سوتی ہو تو نہ کرنا برباد اپنا آشیانہ ورنہ روندی جاؤ گی نوچ لی جاؤ گی جو طلاق لیئے بیٹھی ہیں پوچھو ان سے وہ سوچ رہی ہوتی ہیں نہ جانے کتنے بچوں کے باپ کی ہمسفر بنو گی نہ جانے وہ کیسا سلوک کرے گا اور پھر ساری زندگی یہ طعنہ سنتے گزر جاتی ہے اتنی ہی اچھی ہوتی تو طلاق کیوں لیتی خیر وہ لڑکی الحمداللہ محفوظ ہے لیکن وہ روتی ہے زمانے کی بے حسی پہ اور جانتے ہو کسی عورت کی بربادی میں کہیں نہ کہیں مرد ہوتا ہے محبت کر کے چھوڑنے والا دعویدار ہو یا نکاح کر کے طلاق دینے والا بدبخت عورت خدا کی قسم میرے معاشرے کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک قیدی ہے کبھی باپ کی پگڑی پہ لٹ گئی تو کبھی ساس کے زہر آلود لہجے پہ کبھی شوہر کی انا پہ خاک ہوگئی تو کبھی اولاد کی وجہ سے مرد اگر سمجھ جائیں میری اس تحریر کو تو شاید میرا معاشرہ بدل جائے ہاں کچھ عورتیں ہوتی ہیں بازاری جن کو جتنی بھی عزت دے دو وہ عزت کی چادر سے زیادہ بازار کی رونق بننا پسند کرتی ہیں پھر ایسی بدبخت عورتیں ایک بدبودار معاشرے کو جنم دیتی ہیں۔ یہ یاد رہے۔

شرافت ناز

ریٹائرڈ دوستوں کی یاددہانی کے لئے۔ فیوز بلب

.فیوز بلب: ایک ہاؤسنگ سوسائٹی میں رہائش کے لئے ایک بڑا افسر آیا، جو تازہ تازہ ریٹائر ہوا تھا۔ یہ بوڑھا بڑا ریٹائرڈ افسر حیران اور پریشان، ہر شام سوسائٹی پارک میں گھومتا، دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور کسی سے بات نہیں کرتا تھا۔ ایک دن وہ شام کے وقت ایک بزرگ کے پاس باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گیا اور پھر اس کے ساتھ تقریباً روزانہ بیٹھنے لگا۔ اس کی گفتگو کا ہمیشہ ایک ہی موضوع رہتا تھا۔ میں اتنا بڑا افسر تھا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا اور نہ پوچھ سکتا ہے، یہاں میں مجبوری وغیرہ میں آیا ہوں اور وہ بزرگ اس کی باتیں سکون سے سنتے تھے۔

ایک دن جب ''ریٹائرڈ'' افسر نے دوسرے ساتھی کے بارے میں کچھ جاننے کی خواہش کی تو اس بزرگ نے بڑی انکساری کے ساتھ اسے جواب دے کر دانشمندی کی بات بتائی۔ اس نے وضاحت کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ہم سب فیوز بلب کی طرح ہو جاتے ہیں اس کی اب کوئی اہمیت نہیں رہتی کہ یہ بلب کتنی وولٹیج کا تھا، کتنی روشنی اور چمک دیتا تھا، فیوز ہونے کے بعد اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہوں نے جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں گذشتہ 5 سالوں سے سوسائٹی میں رہ رہا ہوں اور کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میں دو بار پارلیمنٹ کا ممبر رہا ہوں۔ یہاں ایک اور صاحب ہیں وہ ریلوے کے جنرل منیجر تھے، یہاں گلزار صاحب ہیں فوج میں بریگیڈیئر تھے، پھر ندیم صاحب ہیں جو ایک کمپنی کے کنٹری ہیڈ تھے، انہوں نے یہ باتیں کسی کو نہیں بتائی، حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں، لیکن ہم سب جانتے ہیں۔

فیوز کے تمام بلب اب ایک جیسے ہیں۔ چاہے وہ صفر واٹ، 40، 60، 100 واٹ، ہلوجن ہو یا فلڈ لائٹ کے ہوں، اب کوئی روشنی نہیں دیتا اور بے فائدہ ہیں اور ہاں اس بات کی آپ کو جس دن سمجھ آجائے گی، آپ معاشرے میں سکون زندگی گزار سکیں گے۔ ہمارے ہاں طلوع اور غروب آفتاب کو یکساں احترام دیا جاتا ہے، لیکن اصل زندگی میں ہم طلوع آفتاب کی قدر زیادہ کرتے ہیں جتنی جلدی ہم اس کو سمجھیں گے اتنا جلد ہی ہماری زندگی آسان ہوجائے گی۔

***

کیا پاکستان کے نظام کی ہر چیز سلیکٹڈ ہے؟

شاہنواز فاروقی

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اب میاں نواز شریف اپنی قوت پر کھڑے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے۔ میاں نواز شریف کے سارے احتجاج اور شور و غوغا کی بنیاد یہ خیال ہے کہ اب وہ کیوں ''سلیکٹڈ'' نہیں رہے؟ عمران خان کیوں ''سلیکٹڈ'' ہو گئے؟ اسٹیبلشمنٹ آج بھی میاں صاحب کو جمہوریت کی بارات کا دولہا بنانے پر آمادہ ہو جائے تو میاں صاحب ایک لمحے میں سہرا باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے۔

پاکستان کی سیاست سوتنوں کی لڑائی کا منظر پیش کرتی رہتی ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ پیپلز پارٹی اور نواز لیگ عمران خان کو ''سلیکٹڈ'' کہتے ہیں، اور عمران خان کا کیمپ نواز لیگ اور پیپلز پارٹی کی قیادت کو سلیکٹڈ کہتا ہے۔ اصولی اعتبار سے دیکھا جائے تو دونوں ہی سلیکٹڈ ہیں۔ فرق یہ ہے کہ عمران خان دو سال سے سلیکٹڈ ہیں، جبکہ پیپلز پارٹی کی قیادت 50 سال سے اور نواز لیگ کی قیادت 40 سال سے سلیکٹڈ چلی آتی ہے۔ لیکن پاکستان کے سیاسی نظام کا ایک پہلو اس سے بھی زیادہ ہولناک اور شرمناک ہے، اور وہ یہ کہ پاکستان کے سیاسی نظام کی ہر چیز ''سلیکٹڈ'' ہے۔

پاکستان کے سیاسی نظام کی سب سے طاقت ور چیز فوجی آمریت ہے، مگر پاکستان کی فوجی آمریت بھی ''حقیقی'' نہیں۔ وہ بھی سلیکٹڈ ہے۔ امریکہ کی خفیہ دستاویز ''امریکن پیپرز'' سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ جنرل ایوب نے مارشل لا تو 1958ء میں لگایا، مگر وہ 1954ء سے امریکیوں کے ساتھ خفیہ رابطے استوار کیے ہوئے تھے۔ وہ امریکیوں کو بتا رہے تھے کہ پاکستان کی سیاسی قیادت پاکستان کو تباہ کر رہی ہے اور فوج اسے ہرگز ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ یہ صورتِ حال پاکستان میں فوجی آمریت کو امریکی پشت پناہی فراہم کرنے کی کوششوں کا حصہ تھی۔ چنانچہ 1958ء میں جب جنرل ایوب نے مارشل لا لگایا تو امریکہ پوری طرح جنرل ایوب کے ساتھ تھا۔ اِس کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ جنرل ایوب کی فوجی آمریت امریکی گملے میں لگے ہوئے ایک پودے کے سوا کچھ نہ تھی۔ جنرل ایوب کی آمریت اگر حقیقی ہوتی تو وہ اپنی قوت کی بنیاد پر مارشل لا لگاتے۔ وہ کبھی بھی امریکہ کو اپنا حامی، مددگار اور پشت پناہ نہ بناتے۔ جنرل ایوب کی آمریت کا ہولناک ترین نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان دائمی طور پر امریکی کیمپ اور امریکہ کے تزویراتی منصوبوں کا حصہ بن گیا۔ اس طرح ہمارا دفاع پچاس ساٹھ سال کے لیے امریکہ مرکز یا America-centric ہو گیا۔ جنرل ایوب کے بعد جو جنرل بھی آیا، وہ یا تو امریکہ کی آشیر باد سے آیا، یا اُس نے اقتدار میں آنے کے بعد امریکہ کی آشیر باد حاصل کی۔ اس کے بغیر نہ جنرل ضیا دس سال تک حکمران رہ سکتے تھے، نہ جنرل پرویز دس سال کے لیے ہماری گردنوں پر مسلط رہنے کی جرأت کر سکتے تھے۔ جنرل پرویز مشرف جب اقتدار میں آئے تھے تو وہ امریکہ کی گود میں نہیں بیٹھے ہوئے تھے، مگر نائن الیون کے بعد وہ اس حد تک ''امریکی'' ہوئے کہ مغربی ذرائع ابلاغ تحقیر کے طور پر انہیں صدر بش کے نام کی رعایت سے ''بشرف'' کہنے لگے۔ جب پرویز مشرف کے ''سلیکٹڈ'' ہونے کا یہ عالم تھا کہ نائن الیون کے بعد اسرائیل کا صدر رات کو سونے سے پہلے جنرل پرویز کی صحت و سلامتی کے لیے دعا کرنا نہیں بھولتا تھا۔ یہ کوئی قیاسی بات نہیں۔ اخبار میں شائع ہونے والی خبر سے اس امر کی تصدیق ہوئی کہ اسرائیل کا صدر جنرل پرویز کے لیے رات کو سونے سے پہلے دعا کرتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کا ہر فوجی آمر سلیکٹڈ تھا۔

پاکستان کے سول حکمرانوں اور پاکستان کی جمہوریت کا حال اور بھی پتلا ہے۔ پاکستان کی جمہوریت ایک سطح پر امریکہ کی ''سلیکٹڈ'' ہے، دوسری سطح پر فوجی اسٹیبلشمنٹ کی ''سلیکٹڈ'' ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستانی جمہوریت کا سب سے نمایاں چہرہ ہیں، مگر بھٹو صاحب جنرل ایوب کی کابینہ میں وزیر تھے اور وہ عقیدت سے جنرل ایوب کو ''ڈیڈی'' کہا کرتے تھے۔ ڈیڈی کی اصطلاح ملک میں فوجی آمریت کے ''غلبے'' ہی کو نہیں، جمہوریت کی ''مغلوبیت'' کو بھی بیان کرتی ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر بڑا آدمی اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے۔ قائداعظم کبھی کانگریس کے رہنما تھے، مگر پھر وہ وقت آیا کہ انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور اپنی دنیا آپ پیدا کر کے دکھائی۔ مگر پاکستان کے سول رہنما اور حکمران کبھی اپنی دنیا آپ پیدا نہ کر سکے۔ ان کی دنیا ہمیشہ امریکہ یا اسٹیبلشمنٹ نے خلق کی۔ ذوالفقار علی بھٹو جیسا ذہین آدمی بھی سیاست میں آیا تو فوجی اسٹیبلشمنٹ کے کاندھے پر

چڑھ کر اس نے اپنا قد و قامت پیدا کیا۔ میاں نواز شریف اور ان کا پورا سیاسی کیریئر بھی اسٹیبلشمنٹ کی ''سلیکشن'' کا حامل ہے۔ وہ اپنی اہلیت سے وزیر اعظم کیا ایک کونسلر بھی منتخب نہیں ہو سکتے تھے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اب میاں نواز شریف اپنی قوت پر کھڑے ہیں، مگر ایسا نہیں ہے۔ میاں نواز شریف کے سارے احتجاج اور شور و غوغا کی بنیاد یہ خیال ہے کہ اب وہ کیوں ''سلیکٹڈ'' نہیں رہے؟ عمران خان کیوں ''سلیکٹڈ'' ہو گئے؟ اسٹیبلشمنٹ آج بھی میاں صاحب کو جمہوریت کی بارات کا دولہا بنانے پر آمادہ ہو جائے تو میاں صاحب ایک لمحے میں سہرا باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے۔

بلاول بھٹو زرداری سلیکٹڈ، سلیکٹڈ کا سب سے زیادہ شور مچا رہے ہیں، لیکن آج اسٹیبلشمنٹ آصف علی زرداری یا بلاول بھٹو کو ''سلیکٹ'' کر لے تو بلاول سلیکٹڈ کا راگ بھول کر خود سلیکٹڈ بننے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ محمد خان جونیجو بڑے شریف النفس انسان تھے۔ وہ ایمان دار تھے، مگر وہ تھے جنرل ضیا الحق کے ''سلیکٹڈ''۔ الطاف حسین اور ان کی جماعت ایک ''مافیا'' ہے مگر الطاف حسین بھی ''سلیکٹڈ'' ہی تھے۔ اسٹیبلشمنٹ کی ''کاشت کارانہ صلاحیت'' کے بغیر الطاف حسین، الطاف حسین اور ایم کیو ایم، ایم کیو ایم نہیں ہو سکتی تھی۔ پاکستان کا پورا انتخابی نظام بھی اپنی اصل میں ''سلیکٹڈ'' ہے۔ کہنے والے خوش فہمی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ 1970ء کے انتخابات ''منصفانہ'' تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ انتخابات بھی منصفانہ نہیں تھے۔ بریگیڈیئر اے آر صدیقی 1970ء میں آئی ایس پی آر کے ڈائریکٹر تھے۔ انہوں نے جیو کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں انکشاف کیا کہ مشرقی پاکستان کے دیہی علاقوں میں مولانا بھاشانی اور اُن کی جماعت مقبول تھی اور جنرل یحییٰ خان نے مولانا بھاشانی کو دو کروڑ دینے کا وعدہ کیا تھا تاکہ مولانا بھاشانی مشرقی پاکستان کے دیہی علاقوں میں شیخ مجیب اور ان کی عوامی لیگ کا راستہ روک سکیں۔ صدیقی صاحب کے بقول جنرل یحییٰ نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور عوامی لیگ مشرقی پاکستان کے دیہی علاقوں سے بھی جیت گئی۔ انٹرویو لینے والے نے بریگیڈیئر صدیقی سے پوچھا کہ جنرل یحییٰ نے اپنا وعدہ پورا کیوں نہیں کیا؟ بریگیڈیئر صدیقی نے ایک لمحے توقف کیا اور پھر کہا کہ جنرل یحییٰ پاکستان توڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ 1970ء کے انتخابات ہی ''سلیکٹڈ'' نہیں تھے بلکہ سقوطِ ڈھاکا بھی ''سلیکشن'' کا نتیجہ تھا۔

پاکستان کا پورا انتخابی نظام بھی ''سلیکٹڈ'' ہے، اور اس کا آغاز انتخابی فہرستوں اور حلقہ بندیوں سے ہو جاتا ہے۔ حلقہ بندیاں اسٹیبلشمنٹ یا غالب سیاسی جماعت کی مرضی سے ہوتی ہیں اور انتخابی فہرستیں جعل سازیوں سے بھری ہوتی ہیں۔ پاکستان میں انتخابی عمل کے ''سلیکٹڈ'' ہونے کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ کراچی کی آبادی تین کروڑ ہے مگر مردم شماری میں صرف ڈیڑھ کروڑ ظاہر کی گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کراچی کی آبادی پوری دکھا دی گئی تو صوبائی اور قومی اسمبلی میں کراچی کا وزن بہت بڑھ جائے گا۔

اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ پاکستان میں قومی اسمبلی کی 70 سے 75 نشستیں ایسی ہیں جہاں مخصوص خاندانوں کے لوگ ہی منتخب ہوتے ہیں۔ یہ لوگ پیپلز پارٹی میں ہوں تو پیپلز پارٹی جیت جاتی ہے، یہ لوگ نواز لیگ میں ہوں تو نواز لیگ فتح مند ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑتے ہیں تو آزاد امیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ عرفِ عام میں ''Electables'' کہلاتے ہیں اور Electables کے بغیر کوئی اسمبلی وجود میں آتی ہے نہ کوئی حکومت تشکیل پاتی ہے۔ عام طور پر یہ Electables اسٹیبلشمنٹ کی مٹھی میں ہوتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر اسمبلی میں 70 سے 75 لوگ تو اسٹیبلشمنٹ کے ہوتے ہی ہیں، رہی سہی کسر سرمایہ پوری کر دیتا ہے۔ پاکستان میں سرمائے کے بغیر انتخاب لڑنے کا خیال بھی نہیں آ سکتا۔ چنانچہ پاکستان میں امیدوار امیدوار کے، اور پارٹی پارٹی کے مقابل نہیں ہوتی بلکہ سرمایہ سرمائے کے مقابل ہوتا ہے۔ جہاں زیادہ سرمایہ ہوتا ہے وہاں فتح کے شادیانے بج جاتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق گزشتہ انتخابات میں تحریک انصاف اور نواز لیگ نے ذرائع ابلاغ میں اپنی مہم پر دس دس ارب روپے خرچ کیے۔ ان اخراجات کی اہمیت یہ ہے کہ کروڑوں لوگ ٹی وی دیکھ رہے ہیں اور تواتر سے اسکرین پر صرف دو جماعتوں یعنی تحریک انصاف اور نواز لیگ کے اشتہارات آتے چلے جا رہے ہیں۔ اس عمل میں رائے دہندگان کے لیے پیغام یہ ہے کہ پارٹیاں تو صرف دو ہی ہیں، تحریک انصاف اور نواز لیگ۔ آپ چاہیں تو عمران خان کو وزیر اعظم بنا دیں، چاہیں تو نواز شریف کو فتح یاب کرا دیں۔ یہ سرمائے کی قوت سے ہونے والی ''سلیکشن'' ہے۔ بدقسمتی سے اس سلیکشن کو کوئی سلیکشن نہیں کہتا، اور اس سلیکشن سے کامیاب ہونے والا کوئی

شخص ''سلیکٹڈ'' نہیں کہلاتا، حالانکہ وہ ''سلیکٹڈ'' ہوتا ہے۔ اسٹیبلشمنٹ کا ''سلیکٹڈ'' نہیں، سرمائے کا ''سلیکٹڈ''۔

پاکستان کے سیاسی نظام میں صوبائی، لسانی، فرقہ وارانہ اور مسلکی تعصّبات کا کردار بنیادی ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پنجابی، پنجابی کو ووٹ دیتا ہے۔ سندھی، سندھی کے حق میں رائے دیتا ہے۔ مہاجر، مہاجر کو منتخب ایوانوں میں بھیجتا ہے۔ بلوچی، بلوچی کے گلے میں کامیابی کا ہار ڈالتا ہے۔ پشتون، پشتون کے لیے رائے کا استعمال کرتا ہے۔ یہی تقسیم فرقوں اور مسلکوں کے حوالے سے سامنے آتی ہے۔ دیوبندی کبھی بریلوی کو، اور بریلوی کبھی دیوبندی کو ووٹ نہیں دیتا۔ اس سلسلے میں شیعہ سنی کی تفریق بھی اہمیت کی حامل ہوجاتی ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہمارے تعصّبات بھی سیاسی نظام میں ''سلیکٹر'' کا کردار ادا کررہے ہوتے ہیں، اور اکثر منتخب لوگ کسی نہ کسی تعصب کے ''سلیکٹڈ'' ہوتے ہیں۔ ملک میں صرف جماعت اسلامی واحد جماعت ہے جس کے لوگ ''Elected'' ہوتے ہیں۔ گاندھی ایک زمانے میں اچھی بات کہا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر ہم نے سیاسی آزادی حاصل کرلی مگر ہم اپنے نفس کے غلام رہے تو پھر سیاسی آزادی کا کیا فائدہ؟ ہم امریکہ کے سلیکٹڈ ہوں یا اسٹیبلشمنٹ کے.....ہم کسی تعصب کے سلیکٹڈ ہوں یا نفسِ امارہ کے، بات تو ایک ہی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر ہمارے سیاسی نظام کی ہر چیز سلیکٹڈ کیوں ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے سیاسی نظام کی پشت پر کوئی نظریہ ہی نہیں ہے۔ نظریے کی قوت یہ ہے کہ وہ انسان کو انفرادی، گروہی اور ادارہ جاتی مفادات سے بلند کرتا ہے اور آپ کی زندگی کو کسی پست خیال کی گرفت میں جانے سے بچاتا ہے۔ لیکن ہمارے سیاسی نظام کی پشت پر کوئی نظریہ کیوں نہیں ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نظریہ نہ اسٹیبلشمنٹ کو سوٹ کرتا ہے، نہ پیپلز پارٹی، نواز لیگ اور تحریک انصاف کو سوٹ کرتا ہے۔ نظریے کی قوت یہ ہے کہ چین معاشی اعتبار سے سرمایہ دارانہ نظام میں جذب ہوگیا ہے مگر اس نے سیاسی نظام کے دائرے میں اپنے نظریئے کو ترک نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ چین کے سیاسی نظام میں ''میرٹ'' موجود ہے۔ مگر ہمارے سیاسی نظام میں نہ اسٹیبلشمنٹ میں کوئی میرٹ ہے، نہ سیاسی جماعتوں میں کوئی میرٹ ہے۔ چنانچہ نہ ہمیں فوجی آمریت عظمت اور وقار سے ہم کنار کرپاتی ہے، نہ جمہوریت سے ہمیں کچھ فراہم ہوتا ہے۔ ***

بطخ یا عقاب

سوچ بدلو.....زندگی بدلو.....میں جہاز سے اُترا اور کسٹم سے گزر کر ٹیکسی لینے سٹینڈ کی طرف چلا۔ جب میرے پاس ایک ٹیکسی رکی تو مجھے جو چیز انوکھی لگی وہ گاڑی کی چمک دمک تھی۔ اس کی پالش دور سے جگمگا رہی تھی۔ ٹیکسی سے ایک سمارٹ ڈرائیور تیزی سے نکلا۔ اس نے سفید شرٹ اور سیاہ پتلون پہنی ہوئی تھی جو کہ تازہ تازہ استری شدہ لگ رہی تھی۔ اس نے صفائی سے سیاہ ٹائی بھی باندھی ہوئی تھی۔ وہ ٹیکسی کی دوسری طرف آیا اور میرے لئے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا۔ اس نے ایک خوبصورت کارڈ میرے ہاتھ میں تھمایا اور کہا 'سر جب تک میں آپ کا سامان ڈگی میں رکھوں، آپ میرا مشن سٹیٹ منٹ پڑھ لیں۔ میں نے آنکھیں میچ لیں۔ یہ کیا ہے؟' میرا نام سائیں ہے، آپ کا ڈرائیور۔ میرا مشن ہے کہ مسافر کو سب سے مختصر، محفوظ اور سستے رستے سے ان کی منزل تک پہنچاؤں اور ان کو مناسب ماحول فراہم کروں'۔ میرا دماغ بھک سے اُڑ گیا۔ میں نے آس پاس دیکھا تو ٹیکسی کا اندر بھی اتنا ہی صاف تھا جتنا کہ وہ باہر سے جگمگا رہی تھی۔ اس دوران وہ سٹرنگ ویل پر بیٹھ چکا تھا۔ 'سر آپ کافی یا چائے پینا چاہیں گے۔ آپ کے ساتھ ہی دو تھرماس پڑے ہوئے ہیں جن میں چائے اور کافی موجود ہے'۔ میں نے مذاق میں کہا کہ نہیں میں تو کوئی کولڈ ڈرنک پیوں گا۔ وہ بولا 'سر کوئی مسئلہ نہیں۔ میرے پاس آگے کولر پڑا ہوا ہے۔ اس میں کوک، لسی، پانی اور اورنج جوس ہے۔ آپ کیا لینا چاہیں گے؟' میں نے لسی کا مطالبہ کیا اور اس نے آگے سے ڈبہ پکڑا دیا۔ میں نے ابھی اسے منہ بھی نہیں لگایا تھا کہ اس نے کہا 'سر اگر آپ کچھ پڑھنا چاہیں تو میرے پاس اردو اور انگریزی کے اخبار موجود ہیں'۔ اگلے سگنل پر گاڑی رُکی تو سائیں نے ایک اور کارڈ مجھے پکڑا دیا کہ اس میں وہ تمام ایف ایم سٹیشن ہیں جو میری گاڑی کے ریڈیو پر لگ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں وہ تمام البم بھی ہیں جن کی سی ڈی میرے پاس ہے۔ اگر آپ کو موسیقی سے شوق ہے تو میں لگا سکتا ہوں۔ اور جیسے یہ سب کچھ کافی نہیں تھا، اس نے کہا کہ 'سر میں نے ائر کنڈیشنر لگا دیا ہے۔ آپ بتائیے گا کہ ٹمپریچر زیادہ یا کم ہو تو آپ کی مرضی کے مطابق کردوں'۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رستے کے بارے میں بتا دیا کہ اس وقت کس رستے پر سے وہ گزرنے کا ارادہ رکھتا ہے کہ اس وقت وہاں رش نہیں ہوتی۔ پھر بڑی پتے کی بات پوچھی 'سر اگر آپ چاہیں تو رستے سے گزرتے ہوئے میں آپ کو

اس علاقے کے بارے میں بھی بتا سکتا ہوں۔اور اگر آپ چاہیں تو آپ اپنی سوچوں میں گم رہ سکتے ہیں' وہ شیشے میں دیکھ کر مسکرایا۔میں نے پوچھا' سائیں، کیا تم ہمیشہ سے ایسے ہی ٹیکسی چلاتے رہے ہو؟' اس کے چہرے پر پھر سے مسکراہٹ آئی۔'نہیں سر، یہ کچھ دو سال سے میں نے ایسا شروع کیا ہے۔اس سے پانچ سال قبل میں بھی اسی طرح کڑھتا تھا جیسے کہ دوسرے ٹیکسی والے کڑھتے ہیں۔میں بھی اپنا سارا وقت شکایتیں کرتے گزارا کرتا تھا۔پھر میں نے ایک دن کسی سے سنا کہ سوچ کی طاقت کیا ہوتی ہے۔یہ سوچ کی طاقت ہوتی ہے کہ آپ بطخ بننا پسند کریں گے کہ عقاب۔

اگر آپ گھر سے مسائل کی توقع کر کے نکلیں گے تو آپ کا سارا دن برا ہی گزرے گا۔بطخ کی طرح ہر وقت کی ٹیں ٹیں سے کوئی فائدہ نہیں، عقاب کی طرح بلندی پر اُڑو تو سارے جہاں سے مختلف لگو گے۔یہ بات میرے دماغ کو تیر کی طرح لگی اور اس نے میری زندگی بدل دی۔'میں نے سوچا یہ تو میری زندگی ہے۔میں ہر وقت شکایتوں کا انبار لئے ہوتا تھا اور بطخ کی طرح سے ٹیں ٹیں کرتا رہتا تھا۔بس میں نے عقاب بننے کا فیصلہ کیا۔میں نے اردگرد دیکھا تو تمام ٹیکسیاں گندی دیکھیں۔ان کے ڈرائیور گندے کپڑوں میں ملبوس ہوتے تھے۔ہر وقت شکایتیں کرتے رہتے تھے اور مسافروں کے ساتھ جھگڑتے رہتے تھے۔ان کے مسافر بھی ان سے بے زار ہوتے تھے۔کوئی بھی خوش نہیں ہوتا تھا۔بس میں نے خود کو بدلنے کا فیصلہ کیا۔پہلے میں نے چند تبدیلیاں کیں۔گاڑی صاف رکھنی شروع کی اور اپنے لباس پر توجہ دی۔جب گاہکوں کی طرف سے حوصلہ افزائی ملی تو میں نے مزید بہتری کی اور اب بھی بہتری کی تلاش ہے۔میں نے اپنی دلچسپی کے لئے پوچھا کہ کیا اس سے تمہاری آمدنی پر کوئی فرق پڑا' سر بڑا فرق پڑا۔پہلے سال تو میری انکم ڈبل ہوگئی اور اس سال لگتا ہے چار گنا بڑھ جائے گی۔اب میرے گاہک مجھے فون پر بک کرتے ہیں یا ایس ایم ایس کر کے وقت طے کر لیتے ہیں۔مجھے لگتا ہے کہ اب مجھے ایک اور ٹیکسی خریدنی پڑے گی اور اپنے جیسے کسی بندے کو اس پر لگانا پڑے گا۔' یہ سائیں تھا۔اس نے فیصلہ کیا کہ اسے بطخ نہیں بننا بلکہ عقاب بننا ہے۔کیا خیال ہے، اس ہفتے سے عقاب کا سفر نہ شروع کیا جائے؟ سائیں نے مجھے ایک نیا فلسفہ دیا۔سوچ بدلو۔زندگی بدلو۔وہ جو کسی نے کہا ہے نا کہ کوئی بھی پانی میں گرنے سے نہیں مرتا۔مرتا وہ اس وقت ہے جب وہ اس مشکل سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہیں مارتا ہے۔ ***

ابن انشاء

منور خورشید صاحب

جمیل الدین عالی اخبار جنگ میں کالم لکھا کرتے تھے نقار خانے میں۔ ایک دفعہ ابنِ انشاء کا ایک واقعہ لکھا جو میں آپ کی نزر کرتا ہوں۔انشاء جی کے آخری ایام میں کینسر کے مرض کے سلسلے میں ان کے ساتھ راولپنڈی کے CMH میں گیا تو انہیں وہاں داخل کر لیا اور ٹیسٹوں کے بعد ہمیں بتایا کہ کینسر پھیل گیا ہے اور تھوڑے دن کی بات رہ گئی ہے کیوں کہ علاج کافی وقت سے چل رہا تھا ہم کئی بار یہاں آ چکے تھے شام کے وقت ہم دونوں ہسپتال کے اپنے کمرے میں باتیں کر رہے تھے کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھولا تو میرے سامنے ایک بہت خوبصورت تیس سالہ عورت ہاتھوں میں پھولوں کا گلدستہ لئے کھڑی مُسکرا رہی تھی میں اُسے کمرے میں لے آیا محترمہ نے گلدستہ انشاء جی کے ہاتھ میں دیا اور رونا شروع کر دیا اور کہا کہ انشاء جی میں آپ کی فین ہوں اور آپ میرے آئیڈیل ہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کا کینسر پھیل گیا ہے اور آخری اسٹیج پر ہے۔میں اللہ سے دُعا کرتی ہوں کہ وہ میری زندگی کے پانچ سال آپ کو دے دے۔میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں میں اپنی ساری زندگی آپ کو دے دیتی لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں جن کو مجھے پالنا ہے میں پھر بھی سچے دل سے پانچ سال آپ کو دے رہی ہوں انشاء جی اُس کی اس بات پر زور سے ہنسے اور کہا ایسی کوئی بات نہیں ہے میں ٹھیک ہوں۔خاتون تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھنے کے بعد چلی گئی تھوڑی دیر بعد انشاء جی رونے لگے اور کہا کہ دیکھو جمیل الدین یہ میری فین ہے اور دو بچوں کی ماں بھی ہے اور مجھے اپنی زندگی کے پانچ سال دینا چاہتی ہے اس کو کیا پتہ کہ ایک دن بھی کتنا قیمتی ہوتا ہے میرا تو وقت آ گیا ہے اللہ اسے اپنے بچوں میں خوش وخرم رکھے میں اُس رات انشاء کے ساتھ ہسپتال میں رہا اور اگلے روز میں نے دو دن کی اجازت لی کہ میں اپنے عزیزوں سے مل آؤں جو کہ پنڈی میں رہتے تھے۔

میں دو روز بعد واپس آیا تو انشاء نے مجھے اپنی تازہ نظم اب عمر کی نقدی ختم ہوئی اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے رو رو کر سنائی جس میں اُس خاتون کے پانچ سالوں کا ذکر بھی کیا۔اردو ادب میں یہ نظم مجھے بہت پسند ہے میری آپ دوستوں سے گزارش ہے کہ آپ کم از کم دو مرتبہ اس کو ضرور پڑھنا۔میں خود اس نظم کو بار بار گنگنا تا رہتا ہوں بہت کمال اور شاہکار ہے۔انشاء جی پچاس سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اُن کے لئے اور جمیل الدین عالی کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ ***

اللہ اماں اور میں

مبشرہ ناز

اللہ سے میری دوستی ہوئے کافی عرصہ ہو گیا۔۔۔! لیکن اماں میری سمجھ میں اب بھی نہیں آتی تھیں۔۔۔! شادی کے بعد جب بھی کبھی اماں سے شوہر کی شکایت کی تو انہیں میں ہی غلط لگی۔۔۔! سارے جہان کی غلطیاں مجھ ہی میں تھیں۔۔۔! جیسے خاور ان کے بیٹے ہیں اور میں غیر۔۔۔! بھلا اماں سے دُکھ سُکھ نہ کرتی تو اور کس سے کرتی۔۔۔! ایک روز فقط اتنا کہہ بیٹھی۔۔۔! نہ کوئی پیار کی بات نہ کوئی لاڈ نخرہ۔۔۔! محبت ہے ہی نہیں ان کو میرے ساتھ۔۔۔! مجھے کس کھونٹے سے باندھ دیا اماں۔۔۔؟ فالتو تھی نا بوجھ تھی آپ پر۔۔۔؟ بس پھر کیا تھا اماں کا لیکچر شروع۔۔۔! زرا نہیں بدلیں تھیں اماں۔۔۔! اس دن بھی ایسا ہی ہوا خاور کو میری سالگرہ یاد ہی نہیں تھی۔۔۔! تحفہ تو دور کی بات مبارک تک نہ دی میں ساری رات روتی اور کُڑھتی رہی۔۔۔! اگلے دن کپڑے بیگ میں ڈالے اور اماں کے گھر۔۔۔!

اماں خاموشی سے میرے گلے شکوے سنتی رہیں۔۔۔! مگر ان کے چہرے پر ناگواری تھی۔۔۔! کہنے لگیں۔۔۔! محبت کہنے کی چیز نہیں کرنے کی ہے۔۔۔! تو اس کی بیوی ہے تجھے بیاہ کر لے گیا ہے۔۔۔! اس کے عمل دیکھ دن بھر تم لوگوں کے لیئے محنت کرتا ہے کولہو کے بیل کی طرح تمہاری ضرورتیں پوری کرنے میں لگا ہے۔۔۔! ایک دن باہر خوار ہونا پڑے، دو وقت کی روٹی کما کر لانی پڑے تو عقل ٹھکانے آ جائے تیری۔۔۔! تُو ناشکری نہ کر تیرا بُت بنا کر بیٹھا پوجتا رہے تو گھر کا چولہا کیسے جلے۔۔۔؟ تُو اس کے بچوں کی ماں ہے۔۔۔! محبت کو لفظوں میں نہیں عمل میں ڈھونڈ۔۔۔! اور ہاں بند کر دے اللہ سے گلے شکوے اللہ سب جانتا ہے۔۔۔! ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والا ہے تُو جس کھونٹے کی گیّا تھی وہیں لے جا کر باندھا اُس نے۔۔۔! شکر کر ورنہ پچھتاؤ گی۔۔۔! خاور میں کوئی ایک بھی برائی نہیں سگریٹ تک نہیں پیتا۔۔۔! عورتیں بہت بُرے بُرے مردوں کے ساتھ بھی گزارا کرتی ہیں ماریں کھاتی ہیں۔۔۔! لیکن اپنی عزت کی خاطر چُپ رہتی ہیں۔۔۔! اندھی ہے اپنی عینک بدل کر دیکھ۔۔۔! کبھی تجھے اُس کا تھکن سے اُترا چہرا نظر نہیں آیا۔۔۔! زندگی کوئی فلم نہیں حقیقت کی دنیا میں رہنا سیکھ میری بچی۔۔۔! جن کے جیسی تو بننا چاہتی ہے کبھی ان سے جا کر پوچھ وہ اس زندگی کو کیسے ترستی ہیں جو اللہ نے تجھے دی ہے۔۔۔! کچھ عقل کر۔۔۔! اماں نے میری ٹھیک ٹھاک کلاس لے ڈالی۔۔۔! اور ہاں اب تو رات ہو گئی صبح تجھے چھوڑ آؤں گی اور آج کے بعد خبردار جو اس طرح ناشکری کر کے میرے پاس آئی تُو۔۔۔!

مجھے اماں پر بہت غصہ تھا۔۔۔! یہاں بھی ساری رات روتے گزری۔۔۔! اماں جانے کیوں بے چین تھیں پتہ نہیں کیا گُم گیا تھا جو ساری رات مصلے پر ڈھونڈتی رہیں۔۔۔! بہت غمگین سِسکیاں تھیں اماں کی۔۔۔! صبح صبح کیا دیکھتی ہوں" یہ "باہر اماں کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔۔۔! داماد کی خوب خاطر تواضع ہو رہی تھی۔۔۔!" اماں کچھ دن سے آفس میں بہت پریشانی چل رہی تھی۔۔۔! غبن کا معاملہ تھا شکر ہے اللہ کا اس نے سرخرو کیا۔۔۔! آپ مجھے معاف کر دیں میں آپ کی بیٹی کا خیال نہیں رکھ پاتا۔۔۔!" اماں کہہ رہی تھیں پتر یہ تو بھلی ہے تو معاف کر دیا کر۔۔۔! اور میں۔۔۔! میں نے نظر بھر کر خاور کی طرف دیکھا ان کے چہرے پر تھکن لکھی تھی اس ایک نظر نے مجھے ہوش کی دنیا میں لا کھڑا کیا۔۔۔! آنکھوں سے زرا سی پٹی سرکی تو سب کچھ صاف نظر آنے لگا۔۔۔! میں شرمندہ تھی۔۔۔! ان کی تھکن میری رَگ رَگ میں سما گئی۔۔۔! اور پھر رختِ تھکن سمیٹنے کی عادت ہو گئی۔۔۔! اب دِل کی جھولی بہت کشادہ تھی۔۔۔! صبر شُکر اور قناعت نے میرے گھر کو جنّت بنا دیا۔۔۔! اماں کی اُس رات کی سِسکیاں اب تک میرے کانوں میں گونجتی اور میرے دِل کو بے چین کرتی ہیں۔۔۔! میری سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا کہ اماں اُس رات مصلّے پر کیا ڈھونڈتی رہیں۔۔۔! مجھے پکا یقین ہو گیا اماں ابھی تک اللہ سے ملی ہوئی تھیں۔۔۔!!!

جیل کے کپڑے اور جیل کا کھانا!!

یہ تصویر سابق اسرائیلی وزیراعظم ایھود اولمرت کی ہے جو کہ جیل کاٹ رہا ہے۔اس نے 7 سال آرمی میں سروس کی، پھر وزیر کے عہدے پر کام کرتا رہا، القدس کا میونسپل صدر رہا، نایب وزیراعظم رہا اور پھر وزیراعظم کے عہدے پر رہا۔2009 میں انکشاف ہوا کہ جب یہ میونسپل صدر تھا تو اس نے رشوت لی تھی۔اس الزام کا مقدمہ 2016 تک کورٹ میں چلتا رہا حتیٰ کہ اس کا رشوت لینا ثابت ہو گیا اور کورٹ نے اس کو جیل کی سزا دے دی۔جب جرم ثابت ہو گیا تو کسی اسرائیلی نے یہ نہیں کہا کہ یہ فوجی تھا یا ہمارا وزیراعظم رہا اور اس نے ملک کی بہت خدمت کی تھی بلکہ وہ قوم کے نزدیک صرف ایک رشوت خور اور لٹیرا تھا۔یہ سبب ہے ان کی کامیابی کا اور ہماری ناکامیوں کا، کیونکہ ہم ایسے لیڈروں کو جنہوں نے ہمیں لوٹا ہم پھر بھی ان کے گن گاتے ہیں اور ان کے سروں پر تاج پہناتے ھیں، جبکہ وہ لٹیروں اور رشوت خوروں کو جیلوں میں قید کر دیتے ہیں۔

***

جون ایلیا کا انٹرویو

مہر ناصر سیال

سوال: کیا حال ہیں آپ کے؟

ج۔: حال یہ ہے کہ خواہشِ پُرسشِ حال بھی نہیں...
اس کا خیال بھی نہیں اپنا خیال بھی نہیں۔

سوال: میرا مطلب ہے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

جواب: ہر لمحہ جی رہے ہیں دوا کے بغیر ہم
چارہ گر تمہاری دعا چاہئے ہمیں

سوال: یہ دنیا جیسی ہے ایسی کیوں ہے؟

جواب: حاصلِ کُن ہے یہ جہانِ خراب...
یہی ممکن تھا اتنی عجلت میں۔

سوال: زندگی کیا ہے؟

جواب: سمجھ میں زندگی آئے کہاں سے...
پڑھی ہے یہ عبارت درمیاں سے۔
زندگی ایک فن ہے لمحوں کو.. اپنے انداز سے گنوانے کا

سوال: آپ سے اکثر لوگ ناراض کیوں رہتے ہیں؟

جواب: ایک ہی فن تو ہم نے سیکھا ہے...
جس سے ملئے اسے خفا کیجئے۔

سوال: اس سرمایہ داری کے دور میں عشق کیا ہے؟

جواب: جب مقابل ہوں عشق اور دولت... عشق
دولت کا ساتھ دیتا ہے۔

سوال: آپ نے کتنی محبتیں کیں؟

جواب: شاید مجھے کسی سے محبت نہیں ہوئی۔ لیکن یقین
سب کو دلاتا رہا ہوں میں۔

سوال: آپ نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا، اس کا دکھ ہے؟

جواب: میں بھی بہت عجیب ہوں اتنا عجیب ہوں کہ
بس خود کو تباہ کر لیا اور ملال بھی نہیں۔

سوال: آپ دنیا کے آدمی نہ بن سکے۔ اس پر کوئی ندامت؟

جواب: ہم آہنگی نہیں دنیا سے تیری...
تجھے اس پر ندامت ہے، نہیں تو

سوال: آپ نے اپنی شریکِ حیات کو بھی خوش نہیں رکھا۔

جواب: شرمندگی ہے ہم کو بہت ہم ملے تمہیں...
تم سر بہ سر خوشی تھی مگر غم ملے تمہیں

سوال: ان کی یاد آتی ہے؟

جواب: کیا ستم ہے کہ اب تری صورت... غور کرنے
پہ یاد آتی ہے

سوال: سب سے زیادہ کس کو خوبصورت پایا؟

جواب: ہم نے جانا تو ہم نے یہ جانا...
جو نہیں ہے وہ خوبصورت ہے

سوال: آپ اتنا کیوں بولتے ہیں؟

جواب: مستقل بولتا ہی رہتا ہوں
کتنا خاموش ہوں میں اندر سے

سوال: اس دور کے فن اور فنکار کے بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: برباد ہو چکا ہے ہنر اک ہنر کے ساتھ... اور
اپنے صاحبانِ ہنر خیریت سے ہیں۔

سوال: زندگی میں لوگ قریب آ کر دور کیوں ہو جاتے ہیں؟

جواب: زندگی کی انجمن کا بس یہی دستور ہے
بڑھ کے ملیے اور مل کر دور جاتے جایئے

سوال: آپ اپنے اظہار میں اتنے تلخ کیوں ہیں؟

جواب: تلخ ہے میری زندگی، تلخ زباں رہوں گا میں

سوال: اس جدید دور میں جہاں اتنی سہولتیں ہیں، آپ خوش کیوں نہیں؟

جواب: کہاں لذت وہ سوزِ جستجو کی...
یہاں ہر چیز پائی جا رہی ہے۔

سوال: دین، دھرم سے آپ کی کیوں نہیں بنتی؟

جواب: دھرم کی بانسری سے راگ نکلے...
وہ سوراخوں سے کالے ناگ نکلے
رکھو دیر و حرم کو اب مقفل...
کئی پاگل یہاں سے بھاگ نکلے

سوال: کبھی کبھی لگتا ہے آپ خود کو قاری سے چُھپا گئے ہیں۔

جواب: میں اور خود کو تجھ سے چھپاؤں گا یعنی میں
لے دیکھ لے میاں مرے اندر بھی کچھ نہیں

سوال: آپ کو کون سا پھول اور خوشبو پسند ہے؟

جواب: مست ہوں میں مہک سے اس گُل کی
جو کسی باغ میں کِھلا ہی نہیں

سوال: آپ کی شاعری میں اتنی اداسی کیوں ہے؟

جواب: تمہاری شاعری کیا ہے بھلا، بھلا کیا ہے
تم اپنے دل کی اداسی کو گائے لگتے ہو

سوال: اور اس اداسی کا سبب کیا ہے؟ جواب: تجھ کو
بھولا نہیں وہ شخص کہ جو تیری بانہوں میں بھی اکیلا تھا جو
عطا ہو وصال جاناں کی، وہ اداسی کمال کی ہوگی۔

سوال: آپ ایک نارمل اور محفوظ زندگی گذارنے کے قائل کیوں نہیں؟

جواب: کیا کہوں جان کو بچانے میں...
جون خطرہ ہے جان جانے کا۔

سوال: آپ اس حالتِ وجود سے پہلے کیسے ہونگے؟

جواب: ہم جواب آدمی ہیں پہلے کبھی...
جام ہوں گے چھلک گئے ہوں گے۔

سوال: کہتے ہیں کہ عشق میں نیندیں اڑ جاتی ہیں۔ آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؟

جواب: عشق کسی منزل میں آ کر اتنا بھی بے فکر نہ ہو
اب بستر پہ لیٹوں گا میں لیٹتے ہی سو جاؤں گا۔

سوال: خدا کے بارے میں آپ کے خیالات کچھ اچھے نہیں۔ کیا فرمائیں گے؟

جواب: جو کہیں بھی نہ ہو، کبھی بھی نہ ہو... آپ اس کو خدا سمجھ لیجیے۔

سوال: وجود یعنی ہونے کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟

جواب: جون! ہے اک کمال ہو سکنا اور ہونا زوال ہے شاید

سوال: چلیں شکریہ۔ لیکن میرا مشورہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو بدل لیں۔ آپ کے لیے بہتر ہوگا

جواب: ٹھیک ہے خود کو ہم بدلتے ہیں شکریہ مشورت کا چلتے ہیں۔

***

قندیل شعروسخن انٹرنیشنل لندن کے زیر اہتمام
آن لائن مشاعرہ

رپورٹ:
عبدالحمید حمیدی کنیڈا

قندیل شعروسخن نے آن لائن مشاعروں کا سلسلہ شروع کیا اور یہ مشاعرے بہت مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔اسی سلسلے کا ایک مشاعرہ 20 اگست 2020ء کو منعقد ہوا۔جس کی صدارت نامور شاعر،سخن ور عبدالکریم قدسی صاحب نے فرمائی رانا عبدالرزاق صاحب نے مشاعرے کے ناظم کے فرائض سرانجام دیئے۔رانا صاحب نے محترم عبدالکریم قدسی صاحب کا تعارف کچھ اس طرح سے پیش کیا۔قدسی صاحب کی ادبی خدمات 50 سال پر محیط ہیں۔40 سے زیادہ گیت ٹی وی اور ریڈیو پر نشر ہو چکے ہیں۔پانچ ایوارڈ مل چکے ہیں پاکستان دائرز ایوارڈ،مسعود کھدر پوش ایوارڈ،حرف نو اور ساغر صدیقی ایوارڈ 2002 میں PTV سے بہترین نغمہ ایوارڈ۔ان کی شاعری پر مقالے بھی لکھے جا چکے ہیں تعارف کے بعد رانا صاحب نے پروفیسر عبدالقدیر کوکب صاحب کو کلام پیش کرنے کی دعوت دی۔انہوں نے اپنی محبت کی داستان کچھ اس طرح بیان کی

کیا ہے جرم کسی سے میں اگر پیار کروں
ہے اگر جرم تو یہ جرم میں سو بار کروں
چاہنے والے تو پتھر کو بھی چاہیں اکثر
پھر میں کیوں الفت انسان کا انکار کروں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ صاحب ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر ہیں اور بڑے تیزی سے مقبولیت کی راہ پر گامزن ہیں اور ان کے کلام میں بہت پختگی پائی جاتی ہے اُن کا خوبصورت کلام ملاحظہ فرمائیں۔

جہاں میں ہم کہیں رہیں ہماری آب وتاب ہو
چمن میں ہر طرف ہوں گل وہیں پہ وہ گلاب ہوں
کہانیاں سُنی تھی ہم نے عشق کی وصال کی
یہاں تو اس کا وصل ہی ہمارا اشتحاب ہو

محترم جناب شائق نصیر پوری صاحب کا انوکھا اندازِ بیان۔

جب بھی غزل میں رکھی تیرے نام کی ردیف
سورج کی طرح چمکی تیرے نام کی ردیف
تجھ سے بچھڑ کے آج جو میں نے پڑھی غزل
اک چیخ بن کے گونجی تیرے نام کی ردیف

عطاالالعزیز صاحب لاہور سے شامل ہوئے۔اُن کے دو مجموعہ ہائے کلام منظر عام پر آ چکے ہیں۔

اب موسموں کے آنے سے جانے سے کیا غرض
جب تو نہیں تو مجھ کو زمانے سے کیا غرض
یہ زندگی سفر ہے مسافر ہوں میں اگر
تو یہ بتا کہ مجھ کو ٹھکانے سے کیا غرض

ناظم مشاعرہ رانا صاحب (عاصی صحرائی) نے وطن کو کچھ اس طرح یاد کیا۔

فلک کی جگمگاہٹ سے فضا بھی مسکراتی ہے
چمن کی خاک گل دھیمے سروں میں گنگناتی ہے
نسیم صبح کے بوسوں نے کلیوں کو جگایا ہے
کہیں شعلہ بدن پھولوں کو شبنم میں سلایا ہے

خاکسار عبدالحمید حمیدی کو بھی کلام پیش کرنے کا موقع ملا۔

ہم آئیں راہ میں قلب و نظر بچھائے ہوئے
خلوص دل سے کوئی جو ہمیں پکارا کرے
وہ آئے برم میں اکثر ہی مُنہ چھپائے ہوئے
زبان چپ ہے ابرو کہیں اشارہ کرے

گیتوں کے شہزادے اسحاق ساجد صاحب نے خوبصورت کلام پیش کیا۔

رازِ دل تم کو بتانا ہے قریب آجاؤ
اپنا اک گیت سنانا ہے قریب آجاؤ
رنگ پھولوں سے تو کلیوں سے تبسم لے کر
تم کو اک بار سجانا ہے قریب آجاؤ

جرمنی سے خوبصورت کلام کے حامل بشارت احمد بشارت صاحب نے شرکت کی اور بہت شاندار کلام پیش کیا۔

آؤ بیٹھ لیں مل کے اس شام سے پہلے
جب بھر آئیں آنکھیں کسی شام سے پہلے
کچھ ایسی ہی یادیں میخانے میں چھوڑیں
ساقی ہمیں ڈھونڈے ہر جام سے پہلے

بارہ کتابوں کے خالق ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب لمبے عرصے سے ادب کی خدمت پر مامور ہیں۔زبردست شاعری کرتے ہیں۔قادرالکلام شاعر مانے جاتے ہیں۔

چراغ و دود کی جلوہ نمائی دیکھتے رہنا
نظارہ کیا دکھاتی ہے خدائی دیکھتے رہنا
نگاہوں کے اجالا وں سے کوئی امید کیا رکھے
نگاہوں کی تو عادت ہے برائی دیکھتے رہنا

ہندوستان سے محترم جناب محسن لکھنوی صاحب بھی شامل تھے۔اورنعت پیش کرکے انہوں نے محفل کو گرما دیا۔

بزم نبی ﷺ میں آیا ہوں لعل و گوہر کے ساتھ
پاکیزگی قلب و جگر چشم تر کے ساتھ
سدرہ سے اور آگے رسول خدا گئے
جبریل آگے جانہ سکے اپنے پر کے ساتھ

مہمان خصوصی کی حیثیت سے ثمینہ گل صاحبہ شامل ہوئیں۔اُن کے دو مجموعے منظرعام پر آچکے ہیں۔

میرے وطن کا ہر ایک ذرہ حسین ہو گا جمال ہوگا
ہر ایک گوشہ نظیر ہو گا ہر ایک قریہ کمال ہوگا
یہ سر پٹختی یہ آہیں بھرتی یہ زندگی کو ترستی موجیں
شکستہ لہریں تمام ہونگی انہیں یوں ایسا زوال ہوگا

تابندہ سحر عابدی صاحبہ نے خوبصورت کلام پیش کیا۔

دردکی آب وتاب رہنے دو دل کا یہ اضطراب رہنے دو
لب ہیں خاموش چوٹ ہے دل پر آج ذکر گلاب رہنے دو

کینیڈا سے اثرا کبرآبادی صاحب شامل ہوئے اورخوبصورت ترنم سے کلام پیش کیا۔

میری وفا کا اچھا ستم گر صِلہ دیا
ہستی کو میری خاک میں تو نے مِلا دیا
تیرے لئے تو ہم نے جوانی گزار دی
اے عشق یہ بتا کہ ہمیں تو نے کیا دیا

شاعری،غزل،افسانہ،تراجم،تحقیق کے علاوہ بے شمار اصناف میں سخوری کے جوہر دکھانے والی اورادب کی بے بہا خدمات بجالانے والی معروف شاعرہ ذیب النساذیبی صاحبہ نے بہت شاندار کلام سے نوازا۔

رہتے ہیں برہنہ سبھی شیشہ لباس لوگ
مغرور ہیں جو حال کی چادر کو اوڑھ کر
کیسی مہنگائی،غربت سے تنگ آ کے ماں بچے بیچ آئی
ہو سخنور کی جاگیریں
کونے میں لے کر بیٹھا ہے کاغذ پر لکھی تحریریں

ہندوستان سے پانچ کتابوں کی مُصنفہ،رسالہ اسباق کی ایڈیٹر شمشاد شاد صاحبہ نے خوبصورت کلام پیش کیا۔

کبھی شکوہ نہیں کرتے شکایت ہم نہیں کرتے
محبت کرنے والوں سے عداوت ہم نہیں کرتے
یہ الفت پاک جذبہ ہے خدا کی ہے بڑی نعمت
کہیں رسوانہ ہوں ایسی حماقت ہم نہیں کرتے

ہندوستان کے ممتاز استاد شاعر نذیر فتحپوری صاحب نے بہت شاندار کلام پیش کیا۔

امیر شہر تو مال و منال دیتا ہے
فقیر شہر دعاؤں پہ ٹال دیتا ہے
خوش ہوں اپنے کی چند بوندوں پر
میرا خدا مجھے رزق حلال دیتا ہے

آخر میں صاحب صدر جناب عبدالکریم قدسی صاحب نے اپنا شاندار کلام پیش کیا۔

ہر جام میں بہ ظرف طلب گار مے نہ تھی
پھر بھی جو آج صورت حالات ہے نہ تھی
یہ زعم تھا کہ کون ومکاں دسترس میں ہیں
آنکھیں کھلی تو ذات کی منزل بھی طے نہ تھی

آخر میں رانا صاحب نے تمام احباب کا شکریہ ادا کیا اوراس طرح یہ خوبصورت محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔

چھوٹی سی بات!

عطاء القادر طاہر

خوش نصیبی ایک ایسا پرندہ ہے جو تکبر کی منڈیر پر زیادہ دیر نہیں بیٹھتا۔پانی میں اُترتے وقت یہ مت دیکھیں کہ پانی کتنا گہرا ہے۔یہ دیکھیں کہ آپ کا قد کتنا ہے انسان کی صحت دسترخوان پر بنتی ہے اور دسترخوان پر ہی بگڑتی ہے۔آگ لکڑی میں نہیں اس ہاتھ میں ہوتی ہے جو اُسے لگاتا ہے۔تکبر سے تنی ہوئی بلند گردن دشمن کا نشانہ وسیع کر دیتی ہے۔زندگی اور خربوزے میں ایک قدر مشترک ہے۔یہ پھیکی بھی نکل آئے تو پھینکی نہیں جاسکتی۔

یہ امریکہ ہے۔اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں

ابن لطیف

سابق امریکی نائب صدر مسٹر بائیڈن نے اپنے عہدے کی مدت ختم ہونے سے چند روز قبل انکشاف کیا تھا کہ دو سال قبل جب اس کے جواں سال بیٹے کو کینسر کے مرض نے گھیر لیا تو وہ اس کے علاج کیلئے پیسے پیسے کا محتاج ہوگیا۔اس مقصد کیلئے اس نے اپنا واحد اثاثہ جو کہ 4 ہزار سکوائر فٹ گھر تھا، اونے پونے داموں بیچنے کا فیصلہ کرلیا۔قرض وہ اس لئے نہ لے سکا کیونکہ ایک تو اس کی شرائط بہت سخت تھیں، دوسرا اس کی تنخواہ اتنی نہیں تھی کہ وہ اپنی مدت ملازمت کے بعد بھی قرض کی قسطیں ادا کرسکتا۔

گھر کا سودا تقریباً ہو چکا تھا کہ صدر اوبامہ کو کسی طرح پتہ چل گیا اور اس نے اپنے ذاتی بنک اکاؤنٹ سے جو بائیڈن کی مدد کرکے اس کا گھر بیچنے سے بچا لیا۔جنوری 2015 میں لیکن بائیڈن کا بیٹا کینسر جیسے موذی مرض کا مقابلہ نہ کرسکا اور دنیا سے چلا گیا۔اوباما کی الوداعی تقریب کے دوران یہ انکشاف کرتے ہوئے جو بائیڈن آبدیدہ ہوگئے تھے یہ کوئی نسیم حجازی کے ناول کی داستان نہیں بلکہ دنیا کے سب سے طاقتور ملک امریکہ کے نائب صدر کی بالکل سچی کہانی ہیکیا مملکت اسلامہ پاکستان سمیت دنیا کے کسی ایک مسلمان ملک کے حکمران ایسی کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہونگے جیسی امریکہ کے نائب صدر بائیڈن کی تھی؟ چند سوالات ہیں جن کے جواب میں پاکستانیوں پر چھوڑتا ہوں:۔

۱۔کیا امریکی نائب صدر بنکوں سے قرضہ لے کر معاف نہیں کرواسکتا تھا؟۔

۲۔کیا امریکی نائب صدر کا کوئی دوست میاں منشا اور ملک ریاض نہیں تھا جو اسے اربوں کی پراپرٹی بغیر کسی لالچ کے دے دیتا؟۔

۳۔کیا امریکی نائب صدر اتنا نکما اور بیوقوف تھا کہ وہ پانامہ میں آف شور کمپنی تک نہ بنا سکتا تھا۔

۴۔کیا امریکی نائب صدر کا بیٹا حسن نواز سے بھی گیا گزرا اور فارغ تھا جو 16 سال کی عمر میں پارک لین جیسے مہنگے علاقے میں اربوں ڈالر کی جائیداد بنا چکا تھا

۵۔کیا امریکی نائب صدر کے پاس کوئی مولانا فضل الرحمان نہیں تھا جو اسے کرپشن کو حلال کرنے کے شرعی طریقے سمجھا سکتا اور اپنا حصہ بقدر جثہ وصول کرسکتا؟۔

۶۔کیا امریکی نائب صدر کے پاس پاکستانی حکمرانوں جیسے صوابدیدی اختیارات نہیں جن کہ تحت جب چاہے اربوں روپے کے ذاتی جہاز خرید سکیں، 35 لاکھ روپے کا ڈنر کرسکیں، سرکاری خرچ پر وزیراعظم کی تزئین و آرائش پر کروڑوں روپے خرچ کرسکیں؟ اور پھر انہی صوابدیدی اختیارات کے تحت چند کروڑ اپنی جیب میں ڈال کر اللہ تیرا شکر ہے کہہ سکیں؟۔

۷۔کیا اس کے پاس کوئی جہانگیر ترین نہیں تھا جو حکومت سازی کے لیئے اربوں روپے نو منتخب اراکین کو بانٹ سکتا یا اس کے پاس کوئی زلفی بخاری جیسا نہیں تھا جو مفت عمرہ کرواسکتا۔

۸۔کیا اس کے پاس علیم خان جیسا اے ٹی ایم نہیں تھا، تو میرے نزدیک جواب ہے کہ یقیناً تھا مگر اسکو یہ یقین بلکل نہی تھا کہ میں ان کی لمبی لمبی دیہاڑیاں لگوا کر آٹا چینی گندم کے ریٹ بڑھوا کر پورے کروادوں گا۔

۹۔اس سارے آرٹیکل میں ججوں عسکری اور سول بیوروکریسی کا جان بوجھ کر ذکر نہیں کیا گیا جن پر علیحدہ آرٹیکل لکھا جائے گا یہ امریکی دنیا کے بادشاہوں کی ایمانداری کا حال ہے!

***

ڈیجیٹل نوسر باز

بشیر احمد خان

''جی جی میں بس ابھی پانچ منٹ میں حاضر ہوا جی بس آپ آنکھیں بند کریں اور یہ میں سامنے...'سیلانی کے دوست مدثر یاسین جج صاحب کے لہجے سے شیرینی ٹپک رہی تھی اور سیلانی کے لئے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا، مدثر سیلانی کا ''پایان'' ہے اور اس پایان نے مہینہ بھر پہلے ہی اک عدد لڑکی کے جملہ حقوق بحیثیت منکوحہ کے محفوظ کئے ہیں، ابھی پایان کا ہنی مون پیریڈ ہے اور اسے پیاز بھی سوات کی خوبانی جیسا میٹھا لگ رہا ہے یہ وقت ہی ایسا ہوتا ہے کہ بندے کو سوائے دن کی روشنی کے ہر شے بھلی لگتی ہے اسکا بس نہیں چلتا کہ سورج کی منت سماجت کر کے سمندر کے پیچھے دھکیل دے اور خود دربار بیگمیہ میں حاضر ہو جائے، سیلانی بھی انیس برس پہلے یہ وقت گزار چکا ہے جب گھر سے آنے والی کال پر دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی تھیں پھر آہستہ آہستہ سب ترتیب میں یوں آیا کہ زندگی کی بے ترتیبی ہی ترتیب بن گئی ایسا ہی ہوتا ہے شروع شروع میں بیویوں کے نام سیل فون میں سب کچھ...، میری زندگی... جانو... ہوتے ہیں پھر بندہ رفیق آفریدی کی طرح سیل فون میں بیگمات کے نام چھوٹا کورونا اور بڑا کورونا رکھنے لگ جاتا ہے، اس بندے نے بھی تو حد کی ایک کورونا سے گلوخلاصی ممکن نہ تھی اور اس نے دوسرا بھی لگا لیا۔۔سیلانی نے رس گلا بنے پایان کو شیرا ٹپکاتی گفتگو کے بعد زیادہ دیر روکنا مناسب نہ جانا ویسے اگر وہ کوشش بھی کر لیتا تو ناکام ہی ہوتا مدثر نے رسی تڑا کر بھاگ جانا تھا شادی کے بعد اسکے معمولات نے 180 ڈگری کا ٹرن لیا ہے سوائے وقت پر کہیں پہنچنے کے...اس شخص کو دوپہر کو بلانا ہو تو رات کو پہنچتا ہے، سیلانی ہر طرح کا جتن کر دیکھا لیکن اس بندے نے قسم کھا رکھی ہے کہ ٹائم مینجمنٹ نہیں کرنی تو نہیں کرنی۔وہ مدثر کو روانہ کر کے خود دفتر روانہ ہو گیا اور ابھی پہنچا ہی تھا کہ بے غم کا فون آ گیا اور سیلانی کا دل دھک دھک کرنے لگا وہ اللہ سے خیر مانگنے لگا، بے غم دو کاموں کے لئے ہی فون کرتی ہے جب اسے سمجھ نہ آ رہا ہو کہ کھانے میں کیا پکایا جائے یا پھر جب کوئی فٹیگ ہو خیر اس نے دھک دھک کرتے دل کے ساتھ کال وصول کی ''جی جناب خیر تو ہے؟ دیکھیں نا کوئی مجھے بار بار فون کر رہا ہے کہ آپ کے ایزی پیسہ میں غلطی سے دو ہزار روپے ٹرانسفر ہو گئے ہیں میں نے اکاؤنٹ چیک کیا تو جتنی رقم پہلے تھی اتنی ہی ہے۔سیلانی نے جھٹ سے بات کاٹی اور کہا چیٹر ہیں کسی بات کا جواب نہیں دینا، یہ فراڈیئے ہیں، نمبر ریجیکٹ کال پر لگا دو اچھا ٹھیک ہے۔بیگم نے سعادتمندی سے جواب دیا اور کہا ایزی پیسہ سے بھی کال آ رہی تھی کس نمبر سے 0513737 بیگم نے بتایا اچھا...یہ نمبر تو ایزی پیسہ کا ہی لگتا تھا، اس طرح کے نمبر یو این نمبر کہلاتے ہیں جو بڑی کمپنیوں کے کسٹمر سروس نمبر کے ہوتے ہیں۔آپ انہیں کسی سوال کا جواب نہ دیں کہہ دیں کہ میرے شوہر گھر پر نہیں ہیں وہ رات کو آئیں گے تو کال کیجئے گا۔سیلانی نے فون رکھ دیا اس کو اس طرح کے وہ تمام واقعات یاد آ گئے جو نوسر باز کرتے ہیں اس نے سنا تھا کہ یہ ہائیکرز کسی بہانے سے کچھ ایسے سوال کرتے ہیں جن سے اکاؤنٹ کی پن کوڈ تبدیل ہو سکتی ہے یا انہیں پتہ چل جاتا ہے جسکے بعد وہ سارا اکاؤنٹ صاف کر جاتے ہیں اور بندہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ یہ ہوا کیا، سیلانی کو دفتر میں بہتیرے کام تھے وہ ان میں لگ گیا لیکن اسکی چھٹی حس خطرے کی گھنٹی بجائے جا رہی تھی اس نے نیٹ سے ایزی پیسہ سروس والوں کا فون نمبر لیا اور کال کر کے کسٹمر سروس کو نمائندے کو ساری صورتحال بتانے لگا مسز کو میسج بھی ملا ہے جو عموماً رقم کی وصولی پر آپ لوگوں کی طرف سے آتا ہے، پھر ایک نمبر سے کال بھی آئی کہ غلطی سے آپکے اکاؤنٹ میں دو ہزار روپے جمع ہو گئے ہیں لیکن کوئی دو ہزار روپے اکاؤنٹ میں نہیں آئے...سر! وہ اکاؤنٹ ہیک کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ہمارے یہاں سے ایسی کوئی کال نہیں کی جاتی ''اوہ اچھا۔۔'' سیلانی نے جھٹ سے لائن کاٹی اور بے غم کو فون کیا ''بات سنیں وہ فراڈیئے ہیں۔انہیں کچھ مت بتانا'' دوسری طرف سے اہلیہ نے مرجھائے ہوئے لہجے میں جواب دیا اب کیا فائدہ...کیا مطلب سیلانی کی آواز بلند ہو گئی ''وہ اکاؤنٹ صاف کر گئے۔کتنے پیسے تھے۔'' بیالیس ہزار...آپ کو منع بھی کیا تھا پھر کیوں ان سے بات کی...اچھا میں آتا ہوں۔سیلانی دفتر بتا کر موٹر سائیکل پر گھر کے لئے نکلا اور اڑتا ہوا گھر پہنچ گیا، مسز کا چہرہ اترا ہوا تھا وہ کہنے لگیں۔میں نے تو وہ نمبر ریجیکٹ کال پر لگا دیا تھا لیکن پھر کمپنی کے نمبر سے کال آ گئی وہ کہنے لگے ہم کمپنی سے بات کر رہے ہیں، فرحان صاحب کی کمپلین چیک کرنی ہے آپ کچھ بھی نہ کریں بس جو میسج آئے اس میں انگریزی میں لکھے حروف بتا دیں جیسے ہی میسج آئے وہ حروف پڑھ کر بتا دیجئے گا میں نے کہا کہ بار بار فون کر رہے ہیں جان چھوٹ جائے گی میں نے وہ حروف پڑھ کر بتا دیئے اور اسکے بعد اکاؤنٹ چیک کیا تو خالی۔۔

اوہ...سیلانی کے منہ سے بے ساختہ ٹھنڈی سانس نکلی ان دنوں بیالیس

ہزار کی رقم اسکے لئے بیالیس لاکھ کے برابر تھی،بیگم نے جانے کب سے تھوڑے تھوڑے پیسے جوڑ رکھے تھے ظالم چند منٹوں میں صاف کر گئے سیلانی نے ساتھی رپورٹر سردار عبدالحمید سے بات کی اور دوسرے دن اسکے ساتھ ایف آئی اے کے سائبر کرائم ونگ میں درخواست دینے آ گیا، یہاں اسلام آباد سیکٹر G-10 کی نیشنل پولیس فاؤنڈیشن بلڈنگ میں وہ پوچھتے پچھاتے ہیلپنگ ڈیسک پر پہنچے اور میسجز کی تفصیل کے ساتھ درخواست آگے بڑھا دی عمران صاحب نے کمپیوٹر میں اندراج کرنے لگے۔سیلانی پہلو بدلتے ہوئے امید بھرے لہجے میں پوچھا ''کوئی امکان ہے رقم کے ملنے کا''انہوں نے اسکرین سے نظریں ہٹائے بغیر اثبات میں جواب دیا سیلانی نے پھر کہا''اس قسم کے واقعات اب زیادہ نہیں ہونے لگے؟'''' بہت زیادہ، جب بے روزگاری عام ہوگی،نوکریاں نہیں ہوں گی،تو جرائم ہی بڑھیں گے،ابھی کچھ عرصہ پہلے ایک گینگ پکڑا سارے اسلامی یونیورسٹی کے لڑکے تھے، یہ کام پڑھے لکھے ہوشیار چالاک نوجوان کر رہے ہیں،اکاؤنٹ ہیک کرنا آسان تو نہیں ہوتا'' اب اثبات میں جواب دینے کی باری سیلانی کی تھی،عمران صاحب نے ایک پرچی پر اسے درخواست وصولی کی رسید دی جس پر سی آر سی نمبر ICI-12219 تھا، سیلانی رسید لے کر اٹھا کہ اسکی نظر میز پر پڑی درخواستوں کے بنڈل پر جا پڑی اور ساری امیدیں وہیں دم توڑ گئیں کہ یہاں تو پہلے ہی ہزاروں درخواستیں پڑی ہوئی ہیں جانے اس کی باری کب آئے گی سرکاری دفاتر کا حال وہ جانتا ہے کہ یہاں رادھا کے ناچنے کے لئے نو من تیل چاہئے ہوتا ہے اور اس وقت تو نو چھٹانک بھی نہیں...سیلانی نے ایک اور ٹھنڈی سانس لی اور جاتے جاتے اسمارٹ نوسربازوں کے شکار بننے والوں کی درخواستوں کا بنڈل دیکھتا رہا دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا۔

تصحیح: قندیل ادب انٹرنیشنل لندن اکتوبر ۲۰۲۰ کے شمارے میں ایک مضمون شائع ہوا۔جس میں انڈیا کے متعلق کچھ معلومات ٹھیک نہیں دی گئیں، ہماری کوئی پالیسی کسی بھی ملک کے خلاف نہیں۔صرف ادب کی ترویج کیلئے یہ میگزین آٹھ سال سے خدمت میں مصروف ہے۔اگر اس مضمون سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ادارہ اس پر معذرت خواہ ہے۔آئندہ اس بات کا خیال رکھا جائے گا۔ویسے ایڈیٹر کا مراسلہ نگاروں کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں ہوتا۔ (ادارہ)

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

ایک صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا

جنہیں نہایت مطمئن پایا اور باتوں باتوں میں کچھ ایسے راز کُھلے کہ اپنی زندگی بیکار نظر آنے لگی بولے کہ بہت زیادہ امیر آدمی نہیں ہوں مگر ہر وقت گھر میں چھوٹی پانی کی ڈسپوزیبل بوتلیں رکھتا ہوں اور گرمی کے موسم میں جب بھی باہر نکلتا ہوں تو ۲۔۳ ٹھنڈی کی ہوئی بوتلیں ساتھ رکھ لیتا ہوں اور منزل تک پہنچتے ہوئے راہ چلتے سائیکل سوار، کسی دھوپ میں کھڑے چوکیدار یا مالی وغیرہ کو پکڑا دیتا ہوں اور ان سے آسمان کو چھونے والی دعائیں لے لیتا ہوں بازار آتے جاتے ایک دو شوارمے خرید لیتا ہوں اور کسی مناسب شخص کو جو اس کا حقدار لگتا ہو پکڑا دیتا ہوں مسجد کے پیش امام کا جس دوکان میں اُدھار چلتا ہے وہاں اس کا پچھلا کھاتا مہینے میں ایک آدھ دفعہ کلیئر کرا آتا ہوں مسجد صاف کرنے والے خادموں کے گھر کا کرایہ تھوڑا سا ہی ہوتا ہے تو وہ ادا کرا آتا ہوں یہ سوچتے ہوئے کہ یہ اللہ کے گھر کے خادم ہیں علاقے کے میڈیکل سٹور والے کو کچھ رقم دے آتا ہوں کہ غریب دیہاڑی داروں سے نفع لینے کی بجائے اس رقم سے لے لیں اور انہیں دوائی مناسب قیمت پر دے دیں بچے چھُٹی والے دن باہر کا ناشتہ لانے کو بولیں تو آتے ہوئے دو چار حلوہ پُوڑی ایکسٹرا لے آتا ہوں اور راستے میں کسی کو دے آتا ہوں کسی سٹور سے کوئی چیز خریدتے وقت کوئی بچہ آ جائے تو اس کی ساری شاپنگ کی پیمنٹ میں کر دیتا ہوں یہ سب سُن کر حواس جاتے رہے کہ یہ تو آسان اور سستے سے کام ہیں پھر اپنے چھوٹے بھائی سے اس حوالے سے بات ہوئی جو مدینہ میں ہوتے ہیں تو بولے کہ مدینہ شریف میں ایسا ہی ہوتے دیکھتا ہوں روز تو بدن سُن سا ہو گیا کہ ہم روز اپنے حکمرانوں سے ریاست مدینہ کا تقاضا کرتے ہیں کیا کبھی اپنے اندر کی ریاست کو بھی مدینہ جیسا بنانے کی کوشش کی ہے؟

لیجئے جناب وعدے کے مطابق سیلانی حاضر ہے دیکھتا رہا دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا۔

لفظوں کے متروک ہونے کی کہانی

عاصی صحرائی

میں نے کہیں پڑھا ہے کہ ''جب کسی زبان کا کوئی لفظ مرتا ہے، تو اس کے ساتھ اس سے جڑی ہوئی پوری تہذیب فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔'' لیکن میرے خیال میں ترتیب اس کے برعکس ہوتی ہے۔ پہلے ایک تہذیب، ایک ثقافت، ایک رسم، ایک رواج یا ایک خیال مرتا ہے، اس کے بعد ہی اس سے وابستہ لفظ متروک ہوکر ماضی کا حصہ بنتا ہے۔ پرانے زمانے کی جو چیزیں اب باقی نہیں رہیں، ان کا ذکر ان لوگوں کی زبان سے بھی شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جو اپنی زندگی کے کسی دور میں اس چیز کو دیکھ یا برت چکے ہوتے ہیں۔ نئی نسل تو اس چیز کے نام سے بھی واقف نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسے بیان کرنے والا لفظ بھی تحریر و تقریر سے باہر ہوکر بس لغات میں چھپ کر رہ جاتا ہے۔

مثال کے طور پر مکان سے وابستہ چیزوں اور ان کے ناموں کو ہی لے لیجیے، ڈیوڑھی، دہلیز، صحن، آنگن یا انگنائی، دالان، برآمدہ، بیٹھک، دیوان خانہ، غلام گردش، راہداری، زنان خانہ، محل سرا، شہ نشین، پس نشین، توشہ خانہ، بالا خانہ، کوٹھا، کوٹھری، کوکی، چھجہ، مچان، طاق، کارنس، آتش دان، روشن دان وغیرہ میں سے اب کتنی چیزیں باقی ہیں اور جو باقی ہیں ان میں سے کتنی اپنے پرانے ناموں سے جانی جاتی ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب ہر گھر میں ایک آنگن یا صحن ہوتا تھا اور دالان بھی اور اپنی چھت بھی۔ اکثر مکانوں میں مچان بھی ہوتے تھے جن پر گھر کا بے مصرف سامان رکھ کر لوگ بھول جایا کرتے تھے۔ طاق بھی ہر مکان میں ہوا کرتے تھے جن میں بجلی کی آمد سے پہلے چراغ روشن کرکے رکھے جاتے تھے یا کتابیں اور دیگر چیزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ بڑے مکانوں میں آتش دان اور کارنس بھی ہوتے تھے۔ پھر بڑے بڑے روشن دان بھی ہوتے تھے جن میں چڑیاں اکثر گھونسلے بنالیا کرتی تھیں۔ اس طرح اکثر مکانوں میں انسانوں کے ساتھ ساتھ چڑیاں، کبوتر، گلہریاں اور بعض جگہ طوطے بھی رہا کرتے تھے۔ اب دالان اور صحن کی جگہ لابی نے لے لی ہے جہاں بیٹھ کر نہ آپ آسمان دیکھ سکتے ہیں اور نہ موسم گرما کی راتوں میں تاروں کی چھاؤں میں چارپائی بچھا کر سو سکتے ہیں، نہ سردیوں میں دھوپ سینک سکتے ہیں اور نہ برسات میں بارش کا مزہ لے سکتے ہیں۔ فطرت سے رابطے کا ہر راستہ ہم نے خود بند کردیا ہے۔ اصل میں ہماری موجودہ نسلوں کو اس بات کا پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ ہمارے زمانے کی کن کن نعمتوں سے محروم ہیں۔ یہ تو انھیں لوگوں کا دل جانتا ہے جنھوں نے کبھی ان کا لطف لیا ہے۔

اُمراء اور رؤساء کے مکانات کے بیرونی دروازے پر ایک پٹا ہوا احاطہ ہوتا تھا جس میں گھر میں آنے جانے کے لیے پھاٹک ہوتا تھا۔ اسے ڈیوڑھی کہا جاتا تھا۔ یہ گویا ایک چھوٹا موٹا ہال ہوتا تھا جس کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ ملاقاتی مکان میں داخلے کی اجازت ملنے تک وہاں انتظار کرسکے اور اسے گلی یا سڑک پر کھڑے ہوکر انتظار کرنے کی زحمت یا خفت نہ اٹھانی پڑے یا پھر جن لوگوں کو مکان کے اندر لے جانا ضروری نہ ہوتا انھیں ڈیوڑھی میں ہی بات چیت کرکے فارغ کردیا جاتا۔ یہاں بیٹھنے کے لیے چارپائی بھی بچھا دی جاتی تھی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ڈیوڑھی کو جگہ کی قلت کھا گئی اور دروازوں کے چوکھٹوں میں تین ہی کھونٹ رہ گئے اور زمین سے ملا ہوا کھونٹ پتہ نہیں کب غائب ہوگیا اور اس کے ساتھ دہلیز کا تصور بھی۔ مردانہ اور زنان خانہ کا فرق مٹ گیا۔ بجلی کے ہیٹر نے آتش دان اور اس کے ساتھ کارنس کو غیر ضروری بنا دیا اور طاقوں کی جگہ شیلف اور الماریاں آگئیں۔

پرانے زمانے کی ان چیزوں نے، جن سے انسان اپنی فطری مجبوریوں کی وجہ سے چھٹکارا نہیں پاسکتا، اب نئے قالب میں ڈھل کر نئے نئے نام اختیار کرلیے ہیں۔ پاخانہ یا بیت الخلا اس کی نمایاں مثال ہے۔ اس میں پہلا لفظ فارسی کا ہے اور دوسرا عربی کا۔ نئے زمانے میں اس کے لیے اب فارسی، عربی یا اردو کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوتا بلکہ آج کل جتنے بھی الفاظ استعمال ہوتے ہیں سب انگریزی سے لیے گئے ہیں جیسے، لیٹرین، ٹوائلٹ، باتھ روم، اور اب نئے اور فینسی نام جیسے واش روم اور ریسٹ روم۔ بیت الخلا کیپرانے ناموں کے ساتھ اس سے متعلق پرانی چیزوں کے نام بھی فراموش ہوچکے ہیں جیسے کُھڈی، قدمچہ اور آب دست۔ کھڈی کی جگہ اب کموڈ نے لے لی ہے۔ آب دست فارسی کے دو الفاظ 'آب' (پانی) اور 'دست' (ہاتھ) سے مل کر بنا ہے۔ بول و براز سے فارغ ہونے کے بعد ان دونوں کے اشتراک سے ہی پاکی حاصل کی جاتی تھی۔ لیکن اب فراغت کے بعد بس کموڈ کے پیچھے لگا ہوا فوارہ کھولیے اور ایک مخصوص رکوع نما پوز بنا کر کچھ دیر تک مختلف زاویوں سے پہلو بدلتے رہیے، آپ کا کام ہاتھ کا استعمال کیے بغیر ہوجائے گا۔ ہمارے زمانے میں تو گھر میں پانی کا کنکشن ہی نہیں ہوتا تھا، چنانچہ بیت الخلا میں نل کے ہونے کا تصور بھی نہیں تھا۔ پانی باہر سے لوٹے میں بھر کر لے جانا پڑتا تھا۔ فلش کرنے کا سسٹم بھی نہیں تھا۔ اسی لیے اسے ڈرائی لیٹرین کہا جاتا تھا اور عموماً چوبیس گھنٹے میں اس کی ایک بار صفائی ہوتی تھی۔

بہرحال، کہنے کا مطلب یہ کہ اس زمانے میں بیت الخلا کے ساتھ ایک بدبو دار جگہ کا تصور وابستہ تھا۔ اس زمانے کے بزرگ کہا کرتے تھے کہ پاخانہ اور سمدھیانہ دور ہی اچھے ہوتے ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ اس زمانے میں ہماری نانی کے

قصباتی مکان میں پاخانہ دور داخلی دروازے کے پاس تھا اور وہاں تک پہنچنے کے لیے دو بڑے کشادہ آنگن پار کرنے پڑتے تھے اور رات میں تو وہاں اکیلے جانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی کیوں کہ اس وقت بجلی نہیں تھی چنانچہ ساتھ میں ایک محافظ اور ایک چراغ لے کر جانا پڑتا تھا۔لیکن انقلاب زمانہ دیکھیے کہ لوگ اب بیت الخلا کو اپنے شب خوابی کے کمرے یعنی بیڈ روم میں لے آئے ہیں اور اسے باتھ روم کہنا شروع کر دیا ہے کیوں کہ اب غسل خانے کو بھی اسی میں شامل کر لیا گیا ہے۔ پہلے اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور غسل خانے میں پیشاب کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ نہانے اور پاکی حاصل کرنے کے لیے غسل خانہ الگ ہوا کرتا تھا۔ لیکن اب تو مکان بناتے یا خریدتے وقت کوشش ہوتی ہے کہ ہر کمرے کے ساتھ باتھ روم ملحق ہو۔ ویسے بھی اب باتھ روم اتنے صاف ستھرے،خوشبودار، آرام دہ اور پُرسکون ہوتے ہیں کہ بہت سے شوہر چھٹی کے دن اپنا زیادہ تر وقت وہیں گزارنا پسند کرتے ہیں۔خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، ہمارے کہنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ وقت اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ پاخانے اور سمدھیانے کے دور ہونے سے متعلق ہمارے بزرگوں کا قول بھی اب گزرے زمانے کی بات ہوکر رہ گیا ہے۔ جہاں تک سمدھیانے کا سوال ہے، نئی ٹیکنالوجی نے اب سمدھیانے کی فاصلاتی دوری کو بے معنی بنا دیا ہے۔ چنانچہ جو کام پہلے آنے جانے سے ہی ممکن تھا، اب موبائل کے ذریعے بہت آسان ہوگیا ہے۔ بدلتے وقت کے ساتھ وقوع پذیر ہونے والی یہ ایسی تبدیلیاں ہیں جو ہماری نجی زندگی کے ساتھ ساتھ ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی اور رہن سہن کو بھی متاثر کرتی ہیں اور ہماری زبان اور تہذیب کو بھی۔ ان تبدیلیوں کو ہم روک سکتے ہیں نہ ان کے اثرات سے بچ سکتے۔لیکن ان کے مضر اور منفی اثرات سے اپنے آپ کو اور اپنی آئندہ نسلوں کو بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ شعوری طور پر ایسی کسی اجتماعی کوشش کے آثار نظر نہیں آتے۔ آج تو ہم اپنی زبان کے بہت سے الفاظ، اقوال، اصطلاحات اور محاوروں کی موت کا نوحہ کر رہے ہیں لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک دو نسلوں کے بعد ہم اپنی زبان کا ہی نوحہ کرتے سنائی دیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے زندگی کی تیز رفتاری اور آگے نکلنے کی دوڑ میں اپنی تہذیبی میراث کو اپنی آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی، ان کو اپنی تہذیب و تاریخ سے روشناس کرانے کی کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی۔ اپنی تہذیبی وراثت سے ناواقف ہماری نئی نسلوں کو اپنی اس دولت کے کھو جانے کا احساس بھی نہیں ہوگا، افسوس تو دور کی بات ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

زندگی کی سچی تلخیاں

پیشکش۔عطاء القادر طاہر

''وہ اُٹھ کر اندر گئے، چیک بک لے کر آئے ساٹھ لاکھ روپے کا چیک کاٹا اور یہ چیک صاحبزادے کے حوالے کیا اور آنکھیں نیچے کر کے بولے،آپ یہ رقم لو اور مجھے اس کے بعد کبھی اپنی شکل نہ دکھانا'' اس نے وہ چیک جیب میں ڈالا اور نعیم بخاری کے ساتھ واپس چلا گیا۔ وہ فلمساز 1983 میں انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت ان کا کوئی اپنا وہاں موجود نہیں تھا،نعیم بخاری صاحب کے بقول'' یہ منظر دیکھنے کے بعد میرے دل میں پوری زندگی کے لیے دولت کی خواہش ختم ہوگئی۔ہم سے زندگی میں صرف دس چیزیں بے وفائی کرتی ہیں، ہم اگر ان دس بیوفاؤں کی فہرست بنائیں تو عہدہ ، دولت اور اولاد پہلے تین نمبر پر آئیں گی، ہم عہدے کیلئے ایمان،عزت، سیلف ریسپیکٹ ،اخلاقیات ،صحت اور خاندان تک قربان کر دیتے ہیں لیکن یہ عہدہ سب سے زیادہ بے وفا نکلتا ہے۔میں نے کرسی پر بیٹھے لوگوں کو فرعون اور نمرود بنتے بھی دیکھا اور ''نسلیں ختم کر دو'' جیسے احکامات جاری کرتے بھی،لیکن پھر جب عہدے نے بے وفائی کی تو میں نے اپنی آنکھوں سے محترمہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف جیسے بااختیار لوگوں کو بھی عدالتوں کے باہر گندی اینٹوں اور قلعوں کی حبس زدہ کوٹھڑیوں میں محبوس دیکھا، میں نے بیشمار ارب اور کھرب پتی لوگوں کو پیسے پیسے کا محتاج ہوتے بھی دیکھا۔دولت مند غریب ہو گئے ، مالک ملازم بن گئے،اور نمبر دار وقت کے سیاہ صفحوں میں جذب ہو گئے۔ چنانچہ پھر دولت سے بڑی بے وفا چیز کیا ہوگی، اور رہ گئی اولاد، تو میں نے بے شمار لوگوں کو اپنی اولاد سے محبت کرتے دیکھا، یہ لوگ پوری زندگی اپنی اولاد کے سکھ کے لئے دکھوں کے بیلنے سے گزرتے رہے لیکن پھر کیا ہوا؟ وہ اولاد زمین جائیداد کے لئے اپنے والدین کے انتقال کا انتظار کرنے لگی ، میں نے اپنے منہ سے بچوں کو یہ کہتے ہوئے سنا'' ابا جی بہت بیمار ہیں دعا کریں اللہ تعالیٰ ان کی مشکل آسان کر دے۔'' اور یہ وہ باپ تھا جو بچوں کے نوالوں کے لئے اپنا ضمیر تک بیچ آتا تھا۔ میں نے ایسے مناظر بھی دیکھے، بابا جی کے سارے بچے ملک سے باہر چلے گئے، بابا جی نے تنہائی کی چادر بُن بُن کر زندگی کے آخری دن گزارے انتقال ہوا تو بچوں کو وقت پر سیٹ نہ مل سکی، چنانچہ تدفین کی ذمہ داری ایدھی فاؤنڈیشن نے نبھائی یا پھر محلے داروں نے۔ یہ ہے کُل زندگی! اولاد، دولت اور عہدے کی بے وفائی، ان بے وفائیوں کے داغ اور آخر میں قبر کا اندھیرا، یہ وہ حقیقت ہے جس سے ہر شخص واقف ہے لیکن اس کے باوجود انسان کا کمال ہے، یہ دیکھتا ہے لیکن اسے نظر نہیں آتا، سنتا ہے لیکن اسے سنائی نہیں دیتا اور یہ سمجھتا ہے لیکن اسے سمجھایا نہیں جاسکتا، ہر روز لوگوں کو تباہ، مرتا ،ذلیل ہوتا دیکھتا ہے مگر یہ ہر بار خود کو یقین دلاتا ہے'' یہ میرے ساتھ نہیں ہوگا'' کیوں؟ کیونکہ'' میں دوسروں سے مختلف ہوں''۔

صرف بیٹے مانگنے والوں کیلئے سادہ سی

ثقلین مبارک

ایک ساس ڈاکٹر کے پاس گئی اواس نے ڈاکٹر کومخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کوئی ایسی دوادیں کہ اس مرتبہ میری بہو کا بیٹا ہی ہو، دو بیٹیاں پہلے ہیں، اب تو بیٹا ہی ہونا چاہیے۔ڈاکٹر نے جواب دیا، میڈیکل سائنس میں ایسی کوئی دوائی نہیں ہے۔ساس نے کہا کہ پھر کسی اور ڈاکٹر کا بتا دیں؟ ڈاکٹر نے کہا کہ آپ نے شاید بات غور سے نہیں سنی، میں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے دوائی کا نام نہیں آتا۔ میں نے یہ کہا کہ میڈیکل سائنس میں ایسی کوئی دوائی نہیں ہے۔اس موقع پر لڑکی کا سسر بولا کہ وہ فلاں لیڈی ڈاکٹر تو۔۔۔ڈاکٹر نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ وہ جعلی ڈاکٹر ہوگا، اس طرح کے دعوے جعلی پیر، فقیر، حکیم، وغیرہ کرتے ہیں، سب فراڈ ہے یہ۔اب لڑکی کے شوہر نے کہا کہ اس کا مطلب ہماری نسل پھر نہیں چلے گی؟ ڈاکٹر نے کہا کہ یہ نسل چلنا کیا ہوتا ہے؟ آپ کے جینز کا اگلی نسل میں ٹرانسفر ہونا ہی نسل چلنا ہے نا؟ تو یہ کام تو آپ کی بیٹیاں بھی کر دیں گی، بیٹا کیوں ضروری ہے؟ ویسے آپ بھی عام انسان ہیں۔آپ کی نسل میں ایسی کیا بات ہے جو بیٹے کے ذریعے ہی لازمی چلنی چاہیے؟ سسر نے کہا کہ میں سمجھا نہیں؟ ڈاکٹر نے کہا کہ ساہیوال کی گائیوں کی ایک مخصوص نسل ہے جو دودھ زیادہ دیتی ہے۔بالفرض اس نسل کی ایک گائے بچ جاتی ہے تو پریشان ہونا چاہیے کہ اس سے آگے نسل نہ چلی تو زیادہ دودھ دینے والی گائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

طوطوں کی ایک مخصوص قسم باتیں کرتی ہے بالفرض اس نسل کی ایک طوطی بچ جاتی ہے تو فکر ہونی چاہیے کہ اگر یہ بھی مر گئی تو اس نسل کا خاتمہ ہو جائے گا۔آپ لوگ عام انسان ہیں باقی چھ سات ارب کی طرح آخر آپ لوگوں میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟ یہ بات سن کر سسر نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کوئی نام لینے والا بھی تو ہونا چاہیے۔ڈاکٹر نے ان سے سوال کیا کہ آپ کے پردادے کا کیا نام ہے؟ اس موقع پر سسر بس اتنا کہہ سکا کہ وہ، میں، ہم، ہوں وہ۔۔۔ڈاکٹر نے کہا کہ مجھے پتہ ہے آپ کو نام نہیں آتا، آپ کے پردادا کو بھی یہ ٹینشن ہوگی کہ میرا نام کون لے گا اور آج اُس کی اولاد کو اُس کا نام بھی پتہ نہیں۔ویسے آپ کے مرنے کے بعد آپ کا نام کوئی لے یا نہ لے۔آپ کو کیا فرق پڑے گا؟ آپ کا نام لینے سے قبر میں پڑی آپ کی ہڈیوں کو کون سا سرور آئے گا علامہ اقبال کو گزرے کافی عرصہ ہو گیا، آج بھی نصاب میں ان کا ذکر پڑھایا جاتا ہے۔گنگا رام کو مرے ہوئے کافی سال ہو گئے لیکن لوگ آج بھی گنگا رام ہسپتال کی وجہ سے گنگا رام کو نہیں بھولے۔ایدھی صاحب مر گئے لیکن نام ابھی بھی زندہ ہے اور رہے گا۔غور وفکر کیجئے کائنات کی سب سے محبوب ترین ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر اور اُن کی آلِ مبارک پر جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیٹے عطا فرما کر واپس لے لئے اور ایک بیٹی سے رہتی دنیا تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔لہٰذا بیٹی اور بیٹوں میں ہرگز فرق نہ کریں، بیٹا اگر نعمت ہے تو بیٹی رحمت۔

بیٹوں کی اقسام

رانا محمد اکرم شاد

بیٹے 5 پانچ قسموں کے ہوتے ہیں

1۔پہلے وہ جنہیں والدین کسی کام کو کرنے کا حکم دیں تو کہنا نہیں مانتے، یہ عاق ہیں۔

2۔دوسرے وہ ہیں جنہیں والدین کسی کام کو کرنے کا کہہ دیں تو کر تو دیتے ہیں مگر بے دلی اور کراہت کے ساتھ، یہ ہر قسم کے اجر سے محروم رہتے ہیں۔

3۔تیسری قسم کے بیٹے وہ ہیں جنہیں والدین کوئی کام کرنے کا کہہ دیں تو کر تو دیتے ہیں مگر بڑبڑاتے ہوئے، سُنا سُنا کر، احسان جتلا کر، بکواس بازی کر کر کے۔یہ کام کر کے بھی گھاٹے میں ہیں اور گناہ کما رہے ہیں۔

4۔چوتھی قسم کے وہ بیٹے ہیں جنہیں والدین کوئی کام بتا دیں تو خوش دلی سے کرتے ہیں، یہ اجر کماتے ہیں اور ایسے بیٹے بہت کم ہوتے ہیں۔

5۔پانچویں قسم کے وہ بیٹے ہیں جو والدین کی ضرورتوں کے کام اُن کے کہنے سے پہلے کر دیتے ہیں، یہ خوش بخت بیٹوں کی اعلیٰ قسم ہے۔

آخری دو قسم کے بیٹے۔ان کی عمر میں برکت، رزق میں وسعت، ان کے معاملات کی آسانی اور ان کے سینوں میں پڑی راحت اور وسعت کے بارے میں کچھ نا پوچھیئے، یہ تو بس اللہ۔اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اس کا فضل بہت بڑا ہے۔

یک چھوٹا سا سوال ہے ہر اُس کرم فرما کیلئے جو اس وقت یہ پڑھ رہا ہے۔آپ اوپر بیان کئے گئے بیٹوں کی قسموں میں سے کون سی قسم کے بیٹے ہیں....؟

(بھاگ کر اپنی ماں کے سر پر بوسہ دینے سے پہلے) اپنے آپ سے یہ پوچھ کر دیکھیئے کہ والدین کے ساتھ "بِر" یا حُسن سلوک یا راستبازی ہوتی کیا ہے؟

یہ حُسن سلوک ماں یا باپ کے سر پر ایک بوسہ لے لینے کا نام نہیں ہے، نہ ہی ان کے ہاتھوں پر یا حتیٰ کہ اُن کے پاؤں پر بوسہ لینے کا نام ہے۔ کہیں یہ کر کے تُو اس گمان میں ناں پڑ جائے کہ تو نے ان کی رضا کو پالیا ہے۔

حُسن سلوک یہ ہے کہ تو اُن کے دل میں آئی ہوئی خواہش کو محسوس کرے اور پھر اُن کے حکم کا انتظار کئے بغیر اس خواہش کو پورا کر دے۔

حُسن سلوک یہ ہے کہ تو یہ جاننے کی کوشش میں لگا رہے کہ انہیں کونسی بات خوشی دیتی ہے اور پھر اُس کام کو جلدی سے کر ڈالے۔

اُن سے حسن سلوک یہ ہے کہ تجھے ان کا احساس ہو۔

تو ان کیلئے بات چیت کا وقت نکالتا ہو، انہیں کسی چیز کے کھانے پینے کی طلب ہو تو حاضر کر دیتا ہو بھلے یہ ایک چائے کا کپ ہی کیوں ناں ہو۔

حسن سلوک یہ بھی ہے کہ تو اُن کے آرام اور راحت کا خیال رکھے بھلے اس کیلئے اپنی خوشی کو ہی کیوں نا چھوڑنا پڑے۔ اگر تیری دوستوں میں شب بیداری انہیں شاق گزرتی ہے تو تیرا جلدی سو جانا بھی ان کے ساتھ ایک حسن سلوک کی ہی مثال ہے۔

حسن سلوک یہ بھی ہے کہ ان کی خاطر اپنی دعوتیں ضیافتیں چھوڑ دے اگر اس سے تیرا اُن کے ساتھ میل جول متاثر ہوتا ہے تو۔

حسن سلوک یہ بھی ہے کہ تیرے والدین تیرے مال سے مستفیض ہو رہے ہوں بھلے وہ خود کیوں ناں مالدار ہوں۔

حسن سلوک یہ بھی ہے کہ تُو یہ جانے بغیر کہ ان کے پاس اب کتنے پیسے ہیں اور انہیں ضرورت ہے بھی یا کہ نہیں تو ان پر خرچ کرتا رہے۔

حسن سلوک یہ بھی ہے کہ تو ان کی حتی المقدور راحت تلاش کرتا رہے اور انہوں نے تیری پیدائش سے اب تک جو کچھ خدمت کر دی ہے کو کافی سمجھے اور اب ان کے احسانات کے بدلے میں کچھ نا کچھ کرتا رہے۔

حسن سلوک یہ بھی ہے کہ تو ان کے لبوں پر کسی طرح ہنسی لاتا رہے بھلے تو اپنے نظروں میں کیوں ناں مسخرہ ہی لگ رہا ہو۔

آخری بات والدین سے حسن سلوک تیرے اور تیرے بھائیوں بہنوں کے درمیان ''باری بندی'' کا نام نہیں، یہ تو ایک دوڑ کا نام ہے جو جنت کے دروازوں کی طرف جاری ہے اور پتہ نہیں کون پہلے پہنچ جائے اور یہ بھی یاد رکھیو کہ جنت کو بہت سے راستے جاتے ہیں اور ان میں سے کئی راستے تیرے والدین سے ہو کر جاتے ہیں۔ اللہ سوہنا سب والدین کو اولاد کے دکھ درد سے محفوظ فرمائے۔ آمین یارب العالمین!۔

بیٹی کی ولادت پہ غم

مبارک ہو بیٹی ہوئی ہے۔ نرس نے کمرے سے باہر آتے ہی اعلان کیا۔ اقبال کا دل ڈوب سا گیا۔ وہ اوپر سے ہشاش بشاش دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کے اندر جیسے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ یہ تیسری لڑکی تھی۔ اسے بیٹے کی شدید خواہش تھی۔ دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا ایک بیٹا ہوتا تو کم از کم بڑھاپا تو سکون سے گذر جاتا۔ وہ رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگتا تھا کہ اس کے ہاں نرینہ اولاد ہو۔ کبھی کسی نیک آدمی سے ملتا تو اسے بھی اسی دعا کے لیے کہتا۔ آخر اللہ نے اسکی سن لی۔ دو سال بعد اس کے ہاں چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ جسکا نام اس نے جمال رکھا۔ اسکی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ساری دنیا جیسے اسکے لئے رنگین ہو گئی تھی۔ گو کہ اس کا تعلق ایک متوسط طبقے سے تھا لیکن پھر بھی اپنی ہستی کے مطابق اس نے خوب جشن منایا۔ ماہ و سال گزرتے رہے۔ لڑکیوں اور جمال کے معاملے میں ہر ہر بات میں اقبال کا رویہ نہایت غیر منصفانہ رہا۔ بچیوں کو اس نے بس واجبی سی تعلیم دلوائی جبکہ لڑکے کو اعلیٰ سے اعلیٰ سکولوں میں۔ بڑھاپے کا سہارا جو بننا تھا اس نے۔ لڑکیاں بس عام سی زندگی گزارتی رہیں جبکہ جمال زندگی کی ہر آسائش کے مزے لوٹتا رہا۔ لڑکیاں بہت سمجھدار تھیں ایسا نہیں تھا کہ انہیں معلوم ہی نہ ہو کہ یہ سب کیا ہے۔ لیکن انہیں اپنے ماں باپ بھائی سے شدید محبت تھی۔ جمال پر ایسی عنایتوں نے اسے لا اُبالی اور بے پرواہ سا کر دیا تھا۔ باپ کے ساتھ بھی اکثر اکھڑ سا ہو جاتا تھا لیکن اقبال نظر انداز کرتا رہا کہ بچہ ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اقبال کے سارے بچے یکے بعد دیگرے جوانی کی دہلیز پار کرتے رہے۔ ان کی شادیاں ہوتی گئیں۔ سب سے آخر میں اس نے جمال کی شادی کی۔ چن کر چاند جیسی بہو لایا۔ لڑکیاں پہلے ہی اپنے گھروں کو سدھار چکی تھیں اور اپنے اپنے گھروں میں خوش تھیں۔ جیسی وہ متحمل اور بردبار تھیں اللہ کے فضل سے تینوں نے اپنے اپنے سسرال والوں کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ بڑھاپے نے اقبال کی ہڈیوں کو بھی چورا کر دیا تھا۔ تمام زندگی اس نے انتھک محنت کی تھی جسکی وجہ سے وہ وقت سے پہلے ہی بوڑھا ہو گیا تھا۔ جمال اب ایک بہت بڑی کمپنی میں انجینئر تھا۔ اور بہت ہی اچھی آمدنی تھی۔ اقبال کو وہ مقصد پورا ہوتا نظر آ رہا تھا جس کے لیے وہ بیٹے کی دعائیں مانگتا تھا۔ اقبال کو ایک ساتھ کئی بیماریوں نے آ لیا۔ اسے اب آئے روز مختلف ڈاکٹروں کے پاس چکر لگانے پڑتے تھے جو اس اکیلے کے بس کی بات نہیں تھی۔ تو جمال ہی پر اس کا تکیہ تھا۔ لیکن اسے اکثر ایسا محسوس ہوتا کہ جمال کو اس طرح اس کے

ساتھ بندھے رہنا سخت ناگوار گزرتا ہے۔ کئی دفعہ اس نے اشاروں کنایوں میں اس بات کا اظہار بھی کیا۔ وہ ماں اور باپ دونوں سے نالاں ہی رہنے لگ گیا۔ پھر ایک دن اقبال اور اسکی بیوی نے ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔ جمال اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا۔ کافی دیر گذر گئی تو اقبال اور اسکی بیوی ان کے کمرے کی ہی طرف چل دئے۔ کمرے میں سے اونچی اونچی آوازیں آ رہی تھیں۔ جمال اپنی بیوی سے کسی بات پر لڑ رہا تھا۔ تمہیں ان کے ساتھ مجھ سے زیادہ ہمدردی ہے کیا؟ جمال وہ بوڑھے ہیں ایسے وقت میں جوان اولاد ہی سہارا بنتی ہے۔ اسکی بیوی بولی۔ ارے چھوڑو کتنا کوئی سہارا بنے؟ اللہ ان کو پردہ ہی دے دے تو سب کے لئے اچھا ہے۔ صبح شام ان کی خدمت کروں یا اپنی زندگی بھی گزاروں۔ کیا میری اپنی کوئی زندگی نہیں؟ جمال بس بولے چلا جا رہا تھا۔ اقبال کے کان سن ہو رہے تھے۔ دماغ میں اندھیرا چھا رہا تھا۔ اس سے آگے جیسے اسے کچھ سنائی ہی نہ دیا۔ اسکی نظر اپنی بیوی پر پڑی تو وہ فرش پر گری ہوئی تھی۔ شائد اپنی کوکھ سے جنم دیئے بیٹے کے مونہہ سے یہ سب سن نہ پائی تھی۔ اقبال نے زور کی چیخ مار کر بیوی کو پکارا۔

ہسپتال لے جایا گیا لیکن وہ اس کے بعد نہ اُٹھی۔ دوران خون کی مریضہ تھی۔ دوران خون اتنا اوپر چلا گیا کہ دماغ کی شریان ہی پھٹ گئی۔ اقبال کی دنیا ہی اندھیر ہو چکی تھی۔ صرف ایک ہی غمگسار تھی اسکی اس گھر میں۔ اس کی موت کے بعد اس نے جمال کو گھر سے نکال دیا۔ جب بیٹے کا آسرا ختم ہوا تو خود بخود اس کے اندر ہمت آ گئی۔ گو کہ یہ اسکے لیے بہت تکلیف دہ تھا مگر اس نے جہاں جانا ہوتا خود ہی چلا جاتا۔ اب وہ بیٹے کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ تھا۔ اسکی بیٹیاں باپ کی تکلیفوں پر سخت غمزدہ تھیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی اسکے پاس آ موجود ہوتی۔ تیسری والی نے ضد کر کے اسے اپنے گھر کے ساتھ جڑا ہوا گھر لینے پر مجبور کیا۔ بابا آپ یہاں رہیں۔ میں آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ مجھے نیند نہیں آتی بابا آپ کا سوچ سوچ کے۔ وہ اس کو وقت پر کھانا کھلاتی۔ وقت پر دوائی کھلاتی۔ اسکا شوہر اسے ڈاکٹر کے پاس بھی لے جاتا اور اسکی تیوری پر بل تک نہ پڑتا۔ رات کو وہ باپ کے پاؤں دباتی اس کا سر سہلاتی۔ اس کو دوائی کھلاتے ہوئے ایک دن اس نے دیکھا تو باپ کی آنکھ سے آنسو رواں تھے۔ بابا کیا ماں کی یاد آ رہی ہے؟ اس نے محبت سے پوچھا اقبال نے اسکی طرف دیکھا اور بولا نہیں بیٹی میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جب تو پیدا ہوئی تھی تو میں نے مالک سے اس دن یہ دعا کیوں نہ مانگی کہ مجھے تیرے ہی جیسی ایک اور بیٹی عطا کرے۔ یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا!

***

گلوکارہ ریشماں

رجل خوشاب

آج پاکستان کی مقبول ترین لوک گلوکارہ ریشماں کی برسی ہے۔ وہ اپنے مداحوں کے حلقے میں بلبل صحرا کے نام سے معروف تھیں۔

ریشماں مئی 1947ء کے لگ بھگ بھارت کی ریاست راجستھان کے گاؤں لوہا تحصیل رتن گڑھ ضلع چرو میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان کا تعلق ایک خانہ بدوش خاندان سے تھا جس نے اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ برصغیر کی تقسیم کے بعد یہ خاندان پاکستان منتقل ہو گیا۔ نگری نگری گھوم کر گڑوی بجانے والی ریشماں کو عوام سے متعارف کرانے کا سہرا اسی شخص کے سر بندھتا ہے جس نے مہدی حسن جیسے نابغہ روزگار گائیک کو متعارف کرایا تھا یعنی معروف براڈ کاسٹر سلیم گیلانی جو ریڈیو پاکستان میں موسیقی کے پروگرام پروڈیوسر تھے اور بعد میں ڈائریکٹر جنرل کے عہدے تک پہنچے۔ سلیم گیلانی نے گڑوی بجانے والی اُس خانہ بدوش لڑکی کی آواز کراچی کی ایک گلی میں اتفاقاً سنی تھی۔ لڑکی تو آڈیشن دے کر چلی گئی لیکن جب اس کی ریکارڈنگ موسیقی کے اصل پارکھوں تک پہنچی تو ہر طرف سے واہ واہ کے نعرے گونجنے لگے۔ اب اس گم شدہ ہیرے کی تلاش شروع ہوئی۔ خانہ بدوشوں کے ہر ڈیرے پر اس کی ڈھنڈیا پڑی لیکن اس گوہر نایاب کا کہیں پتہ نہ چلا۔ ڈیڑھ برس بعد سیہون شریف کے میلے پر سلیم گیلانی کو وہ لڑکی ایک بار پھر گڑوی بجاتی ہوئی نظر آ گئی، لیکن اس بار انھوں نے اس دُرِ نایاب کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اسے فوراً ''ریڈیو پاکستان کراچی مدعو کر کے اس کی آواز میں نغمے نشر کرنا شروع کر دیئے۔ اب ریشماں کے لائیو پروگرام نشر ہونے لگے اور ریکارڈ شدہ گانے بھی گلی گلی سُنے جانے لگے۔ دھیرے دھیرے ریشماں پاکستان کی مقبول ترین فوک سنگر بن گئیں۔ اس کی آواز میں صحرا کی وسعت تھی، جنگل کا درد تھا، دریا کی روانی تھی اور قدیم معبدوں کی گونج تھی 1960 کی دہائی میں پاکستان ٹیلی وژن کی بنیاد رکھی گئی تو ریشمان نے ٹی وی کے لیے بھی گانا شروع کر دیا۔ انہوں نے پاکستانی فلموں کے لیے بھی متعدد گیت گائے۔ ان کی آواز سرحد پار بھی سنی جانے لگی۔ معروف بھارتی ہدایت کار سبھاش گھئی نے ان کی آواز اپنی ایک فلم میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔ یوں ریشماں نے ان کی فلم 'ہیرو' کے لیے 'لمبی جدائی' گایا جو آج بھی سرحد کے دونوں جانب انتہائی مقبول ہے۔ ریشماں کے کچھ دیگر مقبول گیتوں میں 'سُن چرخے دی مِٹھی مِٹھی کُوک ماہیا مینوں یاد آوندا'، 'وے میں چوری چوری'، 'دما دم مست قلندر'، 'انکھیاں نوں رین دے انکھیاں دے کول کول' اور 'ہائے ربا نیئوں لگدا دِل میرا' شامل ہیں۔ ریشماں کی آواز کے پرستار دنیا بھر میں موجود تھے۔ ریشماں نے ہر اُس ملک کا دورہ کیا جہاں برِصغیر کے لوگ آباد تھے۔ انہوں نے اردو، سندھی، سرائیکی، پنجابی، پشتو اور

راجستھانی زبان کے علاوہ فارسی، ترکی اور عربی زبان میں بھی کئی بار صوفیانہ کلام پڑھا۔انہیں پاکستان میں متعدد ایوارڈز سے نوازا گیا۔جن میں صدارتی ایوارڈ برائے حسنِ کارکردگی، ستارہ امتیاز اور لیجنڈز آف پاکستان کے اعزازات سرفہرست تھے۔تین نومبر 2013ء کو لمبی جدائی کی بات کرنے والی ریشماں اپنے مداحوں سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئی۔

بانگ ناخواستہ

اے آر خاں

پرانی بات ہے ڈائیو کمپنی موٹر وے بنا رہی تھی۔ایک اندرون ملک فضائی سفر کے دوران ہمارا ہمسفر ایک کورین انجینئر بنا.کافی عرصہ سے پاکستان میں تھا اور سہولت بلکہ روانی سے انگریزی بول رہا تھا۔ہمیں کوریا کی صنعتی ترقی کی وجہ جاننے کا دیرینہ اشتیاق تھا،اور پاکستانی صنعتی ڈھانچہ سے متعارف ہوئے بھی لگ بھگ پانچ، چھ سال ہو چکے تھے،سو ہم نے انکا اور اپنا فرق جاننے کے لیے اس انجینئر سے بہت سے سوالات کئے۔ان سوالات کے جوابات سے جو خام سی معلومات حاصل ہوئیں وہ کچھ ایسے ہیں.کوریا میں بھی بالکل پاکستان کی طرح ہی بہت بڑی، درمیانی، چھوٹی اور بہت چھوٹی فیکٹریاں ہیں.بہت بڑی سے یہاں مراد سینکڑوں ملازمین پر مشتمل، درمیانی سے مراد سو سے کم، چھوٹی سے مراد پچیس سے کم اور بہت چھوٹی سے مراد دس سے کم ملازمین پر مشتمل فیکٹریاں ہیں۔بڑی کمپنیوں جیسے کار، بسیں، جہاز یا دیگر مشینیں وغیرہ بنانے والی کمپنیوں کیلئے درمیانی کمپنیاں پرزے بناتے ہیں.درمیانی کمپنیاں اپنا کچھ کام چھوٹی اور بہت چھوٹی کمپنیوں کروا کر بالآخر بڑی کمپنیوں کو پرزے سپلائی کرتی ہیں جو کاریں اور بسیں اور مشینری وغیرہ بناتے ہیں.گویا کوریا یا چین میں ایک خراد مشین رکھنے والا خرادیہ بھی اس معیار کے پرزے بنا تا ہے یا بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے جو ڈائیو کمپنی کے لئے قابل قبول ہوتے ہیں.ہمارے ہاں بھی اس سے ملتا جلتا نظام ہے۔مگر فرق یہ ہے کہ ہماری چھوٹی کمپنیاں اور بہت چھوٹی کمپنیاں علم و ہنر کے اس معیار پر نہیں کہ انکے بنائے گئے پرزے کسی کار یا بس کی تیاری میں استعمال ہوسکیں. بلکہ بہت سی درمیانی کمپنیاں بھی ٹیکنالوجی، ہنر اور مشینری کی لحاظ سے اس قابل نہیں کہ عالمی معیار کی کسی کار یا بس کے پرزے بنا سکیں۔یہی وجہ ہے کہ کہ ہمارے ہاں بہت سی صنعتیں ہونے کے باوجود بالکل عام اور کم معیار کے پرزے تیار ہوتے ہیں جن کی قیمت بھی انتہائی کم ملتی ہے۔نتیجہ یہ کہ ایک تو منافع بہت کم ہونے کی وجہ سے معاشی طور پر صنعت میں پیسے کی اتنی ریل پیل نہیں جتنا کہ کوریا یا حتیٰ کہ چین کی صنعتوں کے پاس ہے.دوسرا نقصان اس عمل کا یہ ہے کہ بہرحال ہمیں اپنی ملکی ضروریات کیلئے اچھے معیار کے ہر طرح کے پرزے باہر کے ممالک سے ہی منگوانا پڑتے ہیں جس پر اربوں ڈالر سالانہ زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔اس سارے معاملہ میں جو بنیادی کجی ہے وہ ہے ہنرمندی کی کمی.

ہمارے ہنرمند کام کی بالکل بنیادی باتوں سے ہی آشنا نہیں اور اس کی بڑی وجہ ہے ہنرمندی کی باقاعدہ تربیت کا فقدان. ملک بھر میں خراد یا پرزہ جات بنانے والی دوسری مشینوں کے استعمال کی باقاعدہ تربیت تقریباً صفر ہے۔ہر طرح کے تمام ہنرمند بطور شاگرد اداروں میں بھرتی ہوتے ہیں اور سالہا سال میں دستیاب علم اور تربیت حاصل کرنے کے بعد کاریگر بنتے ہیں۔صنعتوں میں تربیت کا یہ عمل اسقدر پیچیدہ اور اتنا زیادہ وقت لیتا ہے کہ عملاً اب کوئی کاریگر بننے پر آمادہ ہی نہیں.دوسری طرف یہی کام اگر باقاعدہ ادارے میں کورس کی صورت میں سکھایا جائے تو محض ایک سال میں کوئی بھی شخص اس سے کہیں بہتر کاریگر بن سکتا ہے جتنا وہ کسی ادارے میں دس سال میں بنتا ہے.ہم نے بھارت کے ہنرمندی کے نظام کا تھوڑا سا جائزہ لیا. وہاں مڈل کے بعد دو سال کا خرادئے کا کورس ہے۔جس کا سلیبس دیکھنے کا اتفاق ہوا. ابتدائی ابواب میں ہی وہ معلومات موجود ہیں جن سے ہمارے کاریگر بیس بیس سال کام کرنے کے بعد نابلد ہیں.یہی وجہ ہے کہ بھارت ہر صنعتی شعبہ میں ہم سے بہت آگے نکل چکا ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ آج بھی ہمارے کسی پالیسی ساز کے ذہن یا سرکار کی ترجیحات میں کہیں ہنرمندی کی تربیت شامل نہیں.لیکن یہ بات بہرحال طے ہے کہ صنعتی ترقی کے بغیر قومی معیشت میں دیرپا بہتری کی کوئی صورت نہیں اور صنعت کی ترقی ہنرمندی کی تربیت کے بغیر دیوانے کا خواب ہے.ہمیں آج نوجوانوں کو جنگی بنیادوں پر نوجوانوں کو ہنر سکھانے اور تربیت دینے کی ضرورت ہے، ہمارے لیے یہ ہنرمندی اور تربیت...موٹر ویز، میٹروز اور مہمان خانوں سے کہیں زیادہ اہم ہے مگر نہیں معلوم کون، کب کیسے وزارت صنعت وزارت منصوبہ بندی اور وزارت تعلیم کو یہ بنیادی باتیں اور ان کی اہمیت باور کروائے گا..نہیں معلوم ہمیں کب ہوش آئے گی۔

دھوبی کا کتا۔

عطاء القادر طاہر

دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا اس میں کتا سے مراد کُتا dog ہی لیا، سمجھا، اور پڑھا بھی جاتا ہے،لیکن آج نئی بات علم میں آئی تو ہماری علمیت کا جنازہ نکل گیا یہ لفظ کُتا نہیں بلکہ کَتا ہے جس سے مراد کپڑے دھونے کا وہ ڈنڈا ہے جسے دھوبی ساتھ لیے پھرتا ہے۔وضاحت اصل لفظ کتکہ ہے جو بگڑ کر کتا بن گیا۔پرانے وقتوں میں کپڑے گھاٹ پر دھوئے جاتے تھے اور کپڑوں کو صاف کرنے کیلئے دھوبی اک بھاری بھرکم ڈنڈے کا استعمال کیا کرتا تھا،جس کو کتکہ کہا جاتا تھا۔وہ کتکہ گھاٹ پر نہیں رکھا جاتا تھا کیوں کہ کوئی اور اٹھالے گا اور گھر لانے میں بے جا مشقت کرنی پڑتی۔اسلئے دھوبی وہ کتکہ راستے میں مناسب جگہ چھپا دیتا اور اگلے دن نکال کر پھر استعمال کر لیتا۔اس طرح کتکہ نہ گھر جا پاتا اور نہ گھاٹ پر رات گزارتا۔دھوبی کا کتکہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔جو نئے دور میں بگڑ کر کتا بن گیا۔

نعمت خانہ

مبشرہ ناز

مجھے ڈرائیور کی ضرورت تھی ابا جی سے ذکر کیا تو انہوں نے گاؤں سے مظہر احمد کو بھجوا دیا ابا جی نے اُس کی بہت تعریف کی تھی۔ بہت نیک اور شریف لڑکا ہے۔ دسویں پاس ہے۔اسے رکھ لو...اس کی ماں تمہیں دعائیں دے گی اور ماں کی دعائیں میرا سب سے بڑا ویک پوائنٹ تھا میں دعائیں ہاتھ سے کیسے جانے دیتا فورا مظہر احمد کو بھیجنے کا کہہ دیا...وہ گاڑی چلانا جانتا تھا کچھ دن کی ٹرینگ کے بعد اُس نے باقاعدہ چارج سنبھال لیا۔ابا جی مظہر کے بارے میں ٹھیک کہتے تھے اِس کا اندازہ مجھے اُس دن ہو گیا۔صبح جاگنگ سے واپسی پر سرونٹ کوارٹر سے آتی تلاوت کی آواز نے میرے قدم روک لیئے۔ یہ مظہر احمد تھا۔میرا وہ سارا دن بہت اچھا گزرا میں اپنے دل کی خوشی کی وجہ نہیں جان پایا مگر میں خوش تھا بہت خوش اور پھر میں اکثر خوش رہنے لگا۔روزمرہ کی مصروفیت بزنس کے معاملات سب کچھ ویسا ہی تھا فرق صرف اتنا تھا کہ اب مجھے چیزیں پریشان نہیں کیا کرتی تھیں۔دل کو اُٹھا کر کسی نے پُرسکون جگہ پر رکھ دیا تھا۔دل نے بے چین ہونا، پریشان ہونا کیوں چھوڑ دیا۔۔؟ شاید میں جان نہ پاتا اگر مظہر احمد کی اپنی والدہ سے ہونے والی گفتگو نہ سنتا بھیگی آواز سے وہ اپنی والدہ کو حال احوال بتا رہا اماں میں بہت خوش ہوں تیری دعاؤں کا پھل ہے اماں۔دعاؤں کا پھل میٹھا ہوتا ہے نا...!تُو ہی تو کہا کرتی ہے۔

پورے بیس ہزار تنخواہ ہے جلد ہی پیسے بھیجوں گا۔دو پہیوں سے چار کا یہ سفر بڑا انوکھا ہے اماں...! تیرے سائیکل چلانے والے کملے مظہر کو اللہ نے بہت نواز دیا جانتی ہے اماں...؟ میں بہت سوچتا رہا کیسے چلتی ہے یہ گاڑی۔۔؟ موٹر کیسے کام کرتی ہے اس کی...؟ پھر تیری بات یاد آئی اماں...جب میں چھوٹے ہوتے تجھ سے پوچھا کرتا تھا...بسیں کیسے چلتی ہیں اماں...؟ تو تُو کہا کرتی تھی میں کیا جانوں پُتر میں تو بس اتنا جانتی ہوں یہ اللہ کے حُکم سے چلتی ہیں محض اُس کے فضل سے چلتی ہیں۔سو بسم اللہ پڑھ کر سوار ہوا کر پُتر یہ منزلوں پر پہنچاتی ہیں۔تُو ٹھیک کہتی تھی اماں یہ محض اُس کے حُکم سے چلتی ہیں۔اماں جب بھی گاڑی میں بیٹھتا ہوں سو کیا ہزار بسم اللہ پڑھ کر بیٹھتا ہوں۔اماں تیرا مظہر بھٹے پر شدید گرمی میں سڑا کرتا تھا مالک اکثر مزدوری بھی نہیں دیا کرتا تھا۔بھٹے میں پکتی اینٹیں بھی تیرے مظہر کی محنت کی گواہ تھیں اماں...! مظہر احمد کی آواز میں محسوس ہونے والی کن من اس فقرے کے بعد موسلا دھار بارش میں بدل گئی تھی۔میں اُس بارش میں بھیگ رہا تھا کچی مٹی کی طرح بہہ رہا تھا اُس کی سسکی میں چُھپے شُکر کی کیفیت میرے اندر ڈیرہ ڈالنے لگی تھی۔ بے شک وہ بہت صابر اور شاکر تھا۔

وہ اپنی والدہ کو بتا رہا تھا...!''شدید گرمی میں ٹھنڈی کار میں بیٹھتا ہوں تو اُس مزدور کی خوشی کا خیال آتا ہے جس کی مزدوری اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دی گئی ہو۔تیرے مظہر کی ساری مزدوریاں رب نے جمع کر رکھی تھیں اماں... یک مُشت ادا کر دیں اُس کی آواز بھاری ہوتی جا رہی تھی ہاں اماں آیۃ الکرسی پڑھ کر بیٹھتا ہوں چاروں قُل بھی پڑھتا ہوں اماں صاحب جی کے لئے دعا کرتا ہوں لو بھلا کیسے نہیں کروں گا اماں۔

اللہ اُن کو سکون اور خوشیاں عطا فرمائے اُن کے کاروبار میں برکت دے۔ آمین میں نے زیرِلب کہا اُس کی والدہ نے بھی یقینا آمین کہا ہوگا میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔وہ ایک معمولی نوکری پر اتنا شاکر تھا جتنا شاید میں ہزار نعمتوں پر بھی نہیں تھا۔رب کا اس طرح شکر ادا کرنے والا کوئی عام شخص نہیں ہوسکتا۔مظہر احمد خاص تھا بہت خاص۔دادی کے گاؤں والے گھر کے باورچی خانے میں جالی والی ایک الماری ہوا کرتی تھی جسے نعمت خانہ کہتے تھے۔وہ کھانے پینے کا سامان اور خاص طور پر اُبلا دودھ اس میں ٹھنڈا ہونے کے لیئے رکھا کرتی تھیں۔مظہر احمد نے میرے دل کو اُٹھا کر نعمت خانے میں رکھ دیا تھا۔زندگی کو بھی جیسے اُبال آ گیا تھا۔اُس پر بالائی کی موٹی تہہ جمنے لگی تھی۔

میں مظہر احمد کا احسان مند تھا اُس نے مجھے شکر کرنا سکھا دیا تھا۔ایک عورت نے بتایا کہ میں نے اپنے شوہر کی facebook دیکھی تو..وہ شہزادہ نام رکھ کر ایک عورت سے گپ شپ کر رہا تھا اس عورت کا facebook پر نام نیلم شہزادی تھا میں نے جب اپنے شوہر کی پوسٹیں دیکھیں تو وہ محبت بھری شاعری اور پیار بھری باتوں سے بھری ہوئی تھیں اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اس لڑکی سے شادی کے لیے تیار تھا مجھے بہت غصہ آیا اور اپنے شوہر کو سبق سکھانے کا سوچا تو میں نے facebook پر ابوالتعقاع نام سے ایک فرضی id بنائی اور اس ID پہ جلاؤ گھیراؤ قتل و غارت خون خرابے والی تصویریں لگانا شروع کر دیں کچھ عرصے بعد اس id سے اپنے شوہر کو میسج کیا کہ تم جس نیلم شہزادی نام کی لڑکی سے محبت لڑا رہے ہو وہ میری بیوی ہے اور میں داعش کے امیروں میں سے ایک ہوں اور تمہیں جانتا ہوں کہ تم کون ہو پھر اسکا نام اسکے باپ بہائیوں کا نام بتا دیا اور کہاں رہتا ہے اور کہاں کام کرتا ہے یہ سب لکھ کر کہا کہ اگر اب میں نے تمہیں facebook پر دیکھا تو تجھے بکرے کی طرح ذبح کر دوں گا....اے خارشی بکرے وہ عورت کہتی ہے اگلے دن میں نے دیکھا میرے شوہر کے رنگ اڑے ہوئے تھے برے حال تھے انکے موبائل سے فیس بک..انسٹا گرام...واٹس ایپ آئی ایم او، وائبر سب کچھ ڈلیٹ کر دیا اور مجھ سے بار بار پوچھ رہے تھے کہ عصر کی اذان کب ہو۔

افسوس ہمارے عادل فاروقی بھی رخصت ہو گئے !

امجد مرزا امجد

افسوس کہ برطانیہ کے معروف شاعر جید عالم فیاض عادل فاروقی صاحب 2 نومبر 2020 کی صبح کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے ۔انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

عادل فاروقی صاحب 1971 میں برطانیہ آئے ۔نہایت مذہبی اور اعلی ذوق کے حامل تھے ۔ ویکٹون ٹی وی پر مذہبی معلومات کے پروگرام بھی دیتے رہے ۔درس تدریس سے تعلق تھا جو ''فاروقیہ فاؤنڈیشن'' کے نام سے طویل مدت سے کام کر رہی ہے ۔ملازمت سے ریٹائیرڈ تھے مگر کہتے ہیں کہ کام سے کوئی ریٹائیرڈ نہیں ہوتا ۔

سوچتے اور لکھتے ہی عادلؔ زندگی کام کرتے گزری ہے

پاکستان کے مشہور شہر جھنگ سے تعلق رکھتے تھے جو سلطان باہوؒ اور ہیر رانجھے کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہے اس کے علاوہ مولانا حق نواز جھنگوی اور مشہور سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام کی وجہ سے بھی جانا جاتا ہے ۔

لکھنے کا عمل جب سے قلم پکڑا شروع ہے، پہلی غزل سولہ سال کی عمر میں لکھی جو اسکول کی الوداعی تقریب میں پڑھ کر داد وصول کی اور نثری مضامین پندرہ سال کی عمر سے لکھنا شروع کئے جو ہفت روزہ 'النقیب' فیصل آباد سے شائع ہوتے ۔ان سے لندن کے مشاعروں میں اکثر ملاقات رہی، جہاں ہمیشہ ان کو صدارت یا مہمان خصوصی کے طور پر بٹھایا جاتا ۔استاد شعراء میں شمار تھا ۔اپنا پہلا مجموعہ ''اشکِ گل'' خود ہی کمپوز کیا اس کے بعد حال ہی میں ان کا دوسرا مجموعہ ''سوزِ گل'' بھی شائع ہو چکا تھا مگر ان کو چند ایک ہی کاپیاں ملیں باقی پاکستان میں ہیں ۔ نثری مجموعہ کی ترتیب بھی شروع کی ہوئی تھی ۔لندن بار و آف برنٹ نے ان کی ادبی اور کمیونٹی خدمات کے اعتراف میں کونسل کا سب سے بڑا ایوارڈ جو ''سیوک ایوارڈ'' کے نام سے جانا جاتا ہے دیا اس کے علاوہ کئی ادبی تنظیموں نے انہیں ایوارڈز سے نوازا جن میں ''پاک پنجابی سنگت، جشن غالب، اقبال اکیڈیمی، پنجابی لکھاری فورم اور بزمِ شعر و ادب قابلِ ذکر ہیں ۔ پنجابی اور اردو میں شاعری اور نثر لکھتے تھے ۔کئی کتابوں پر تبصرے بھی لکھے اور دیباچے بھی ۔نہایت سادہ لباس ،سادہ طبیعت ،عالمانہ گفتگو، لبوں پہ مسکراہٹ لئے مخاطب کے دل میں جاگزیں ہو جاتے ۔

اپنے زریں اصولوں کی سختی سے پابندی کرنے والے فیاض عادل فاروقی صاحب کئی ادبی تنظیموں کی سرپرستی کرتے تھے ۔ان کی اپنی تنظیم ''عالمی انجمنِ مصنفین، ہیرو'' بھی ہے جس کے تحت کئی ادبی پروگرام منعقد ہو چکے ہیں ۔

عادل فاروقی کثرت سے لکھتے، ہر موضوع پر لکھتے اور بہت عمدہ لکھتے ۔ ہر مشاعرے میں ہمیشہ نیا کلام سناتے ۔ان کے پاس الفاظ کا ایک لامتناہی ذخیرہ تھا کہ ان کی اکثر غزلیں نظمیں تیس چالیس اشعار سے بھی تجاوز کر جاتی ہیں ۔عربی، فارسی، انگلش اردو اور پنجابی زبان پر مکمل عبور حاصل ہے ۔ بقول انکے جو نظم برطانیہ کے شعراء پر لکھ رہے تھے اس کے اڑھائی ہزار سے زائد اشعار ہو چکے ہیں اور تا حال جاری تھی ۔اکثر شعراء پر انہوں نے طویل نظمیں لکھیں ۔مجھ پر بھی چار صفحات کی نظم لکھی جس کے چالیس سے زیادہ اشعار ہیں ۔لکھتے ہوئے الفاظ کی بارش ہوتی، اللہ جانے کہاں کہاں سے الفاظ ڈھونڈ نکالتے ۔ان کی شاعری میں عربی فارسی کے بے شمار الفاظ ملتے ہیں ۔

آپ اکثر گرجوں، سینی گاگ اور گردواروں مندروں میں مناظرے کے لئے بھی جاتے اور اللہ کی وحدانیت اور رسول اکرمؐ کے اعلیٰ نبی ہونے کے علمی ثبوت دے کر انہیں لاجواب کر دیتے ہیں ۔فاروقیہ فاؤنڈیشن کی طرف سے باقاعدہ وڈیو ٹیپ اور آیو ڈیو ٹیپ مفت تقسیم کی جاتیں ۔علمی ادبی اور مذہبی سیمنار اور جلسے کئے جاتے ۔نوجوان طبقے میں اس فاؤنڈیشن نے بہت کام کیا ۔فاروقی صاحب کے ہاتھوں بے شمار غیر مسلم دائرہ اسلام میں آکر فیض اٹھا چکے ہیں ۔

علامہ عادل فاروقی صاحب کی شاعری میں ہر قسم کے موضوعات ملتے ہیں انہوں نے جہاں عارفانہ کلام، نعت، حمد، غزل، نظم لکھی وہاں وہ طنزیہ مزاحیہ شاعری بھی بڑے خوبصورت انداز میں کی ہے ۔ایک بار ''وطن'' کے موضوع پر ان کی ایک طویل نظم نے پاکستان کے ممتاز کالم نگار عبدالقادر حسن کو ان کی اس نظم پر کالم لکھنے پر مجبور کیا کہ کس طرح وطن سے دور ایک غریب الوطن نے وطن کا نقشہ کھینچا ۔

اللہ پاک انہیں جنت الفردوس کے اونچے درجات عطا فرمائے ان کے اہل خانہ کو اور تمام دوست احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین، بے شک ان کی جدائی میں آج ہر دل افسردہ ہے اور ادب میں بہت بڑا نقصان ہے مگر اللہ پاک نے انہیں اتنی ہی عمر دی تھی ۔وہ کافی مدت سے بیمار تھے اور سٹروک کی وجہ سے گھر میں رہتے تھے ۔آپ سب سے ان کی مغفرت کی دعاؤں کی درخواست ہے ۔ ع بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی اک شخص سارے شہر کو اداس کر گیا

باعث برکت

امجد مرزا امجدؔ، لندن

ایک پرانے جاننے کا چالیسواں تھا۔ مسجد کا وسیع ہال تھا جس میں دو اڑھائی سو لوگ صفوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں تصور میں آٹھ سال پیچھے چلا گیا جہاں مرحوم میرے ساتھ ایک ہی فرم میں کام کرتے تھے۔ سخت مردم بیزار، شاید ہی کسی کو چائے کا پیالہ بھی ان کی جانب سے نصیب ہوا ہو، ہاتھ سے بنایا ہوا باریک سا سگریٹ ان کے لبوں میں اس وقت تک سلگتا رہتا جب تک کہ اس کی جلن ہونٹوں تک نہ جاتی۔ مگر آج ان کے مرنے کے بعد اتنی مخلوق جن میں زیادہ تعداد روزمرہ کے مسجد کے نمازیوں کی تھی جنہیں کھانا کھا کر جانے کا کہا گیا تھا۔

گوشت قورمہ، مرغ قورمہ آلو پالک گوشت کا پلاؤ، نان بڑی بڑی سلاد سے بھری ہوئی طشتریاں اور ہر قسم کا ڈرنک موجود تھا امام صاحب کو بھی سخت بھوک لگی ہوگی لہٰذا بڑی مختصر سی دعا کے بعد کھانا شروع ہوگیا۔ مرحوم کی زندگی میں دونوں بیٹوں کا ملنا جلنا طویل مدت سے بند تھا مگر آج وہ اس کی کمائی پر مرغن کھانوں سے اس کی روح کو ثواب پہچانے پر ہر طرف دوڑے پھر رہے تھے۔ میں کافی مدت سے اپنی شوگر اور بلڈ پریشر کی بیماری کی وجہ سے سخت پرہیزی کھانے کا عادی تھا۔ پلیٹ میں چند بوٹیاں اور سلاد رکھ کر کھاتے ہوئے سامنے ملک صاحب پر جو نظر پڑی تو بھونچکا گیا جن کی بڑی سی پلیٹ میں پلاؤ اور ڈھیر ساری بوٹیاں تھیں جو بڑی تیزی سے ختم ہوتی جارہی تھیں پھر دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ تو سوچا کہ اب اور کیا کھائیں گے کہ ایک بار انہوں نے بتایا تھا کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی روٹی کھاتے ہیں کہ بڑھتے ہوئے وزن نے کئی بیماریوں کو بڑھا رکھا ہے مگر آج وہ اس قدر اپنی خالی ہوتی ہوئی پلیٹ کی جانب متوجہ تھے کہ میں سامنے بیٹھا نظر ہی نہیں آیا۔۔ کہ مروت سے سلام ہی کر لیتے۔۔ جب تیسری بار انہوں نے ایک لڑکے کو نیا ڈونگہ لانے کو کہا اور پہلے ڈونگے سے ساری بوٹیاں اپنی پلیٹ میں انڈیل لیں اور نان سے بڑی عمدگی سے لپیٹ لپاٹ کر پلیٹ کو پل میں خالی کر کے بڑی بے تابی اور قدرے خفگی سے دوبارہ نیا ڈونگہ لانے کو آواز دی تو میں نہ رہ سکا۔۔

''ملک صاحب! آپ نے تو کہا تھا کہ میں آجکل پرہیزی کھانا کھا رہا ہوں مگر آج...'' تو بڑی ڈھٹائی سے اپنے چپ چپ کرتے ہوئے ہاتھ ٹشو سے صاف کرتے ہوئے بولے۔

''ہاں ہاں... گھر میں کافی پرہیز کرتا ہوں... مگر... مرزا جی! یہ گھر تو نہیں ہے نا... اور پھر...'' ان کی نظریں اس لڑکے کو ڈھونڈ رہی تھیں جو دوسرا ڈونگہ لینے گیا تھا۔ ''پتہ ہے... ختم شریف کا کھانا باعثِ برکت ہوتا ہے۔ اس سے ساری بیماریاں دور ہوجاتی ہیں۔''

اتنی دیر میں لبالب بھرا ہوا سالن کا ڈونگہ آگیا... اور کیا بتاؤں اس بے چارے ڈونگے کا کیا حشر ہوا... میں نے جب مسجد کے ہال میں ایک نظر دوڑائی تو... ماشاءاللہ۔ تمام لوگ ختم شریف کے کھانے کی برکتیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے تھے... اتنی ''مرغن'' برکتیں گھر میں کہاں نصیب ہوتی ہیں...!!!

امجد مرزا امجدؔ

یوں تیری یاد کو مَیں دل میں جگہ دوں گا
اپنی شہ رگ پہ ہی تلوار چلا دوں گا
خود کلامی کے وہ لمحات تجھے کیا معلوم
دشتِ تنہائی میں جب خود کو صدا دوں گا
اپنا سرمایہ یہی ہے، یہ سسکتے اشعار
حالِ دل پوچھو گے تو شعر سنا دوں گا
جب بھی پوچھے ہے کوئی میری تباہی کا سبب
بے خیالی میں ترا نام بتا دوں گا
اتفاقاً کہیں اُس سے جو مِل جائے نظر
مسکراتی ہوئی آنکھوں کو سزا دوں گا
تیری آواز کا جب جب مجھے ہوتا ہے گماں
مَیں ہواؤں سے چراغوں کو جلا دوں گا
چاہے لاکھ پکارے وہ ''کیوں نکالا مجھے''
پھر سے اس کی اپنی لحد میں دفنا دوں گا
امجدؔ جو وہ مرے دیس کو برباد کرے
اُس حاکمِ وقت کو دار پہ چڑھا دوں گا

اخبار ''پرتاب''

رانا مبارک احمد

تقسیم ہند سے پہلے پنجاب کے دل لاہور سے ''پرتاب'' نام کا ایک اخبار نکلا کرتا تھا جو کہ پرتاب نام کے ایک ہندو کا تھا وہی اس کا مالک بھی تھا اور چیف ایڈیٹر بھی۔ایک دن پرتاب نے سرخی لگا دی: تمام مسلمان کافر ہیں۔ لاہور میں تہلکہ مچ گیا، پرتاب کے دفتر کے باہر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا جو مرنے مارنے پر تیار تھا، نقصِ امن کے خطرے کے پیش نظر انگریز کمشنر نے پولیس طلب کر لی، مجمعے کو یقین دلایا گیا کہ انصاف ہوگا اور مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے گی، تمام مکاتب فکر کی مشترکہ کمیٹی کے پچاس آدمیوں کی مدعیت میں پرچا کٹوا دیا گیا۔ چالان پیش کیا گیا اور مجسٹریٹ نے جو کہ انگریز ہی تھا، پرتاب سے پوچھا یہ اخبار آپ کا ہے؟ جی میرا ہے!۔اس میں جو یہ خبر چھپی ہے کہ مسلمان سارے کافر ہیں اپ کے علم اور اجازت سے چھپی ہے؟** جی بالکل میں ہی اس اخبار کا مالک اور چیف ایڈیٹر ہوں تو میرے علم واجازت کے بغیر کیسے چھپ سکتی ہے!۔آپ اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں؟۔جی جب یہ جرم ہے ہی نہیں تو میں اس کا اعتراف کیسے کرسکتا ہوں، مجھے تو خود مسلمانوں نے ہی بتایا ہے جو میں نے چھاپ دیا ہے، صبح ہوتی ہے تو یہ لوگ سپیکر کھول کر شروع ہوتے ہیں کہ سامنے والی مسجد والے کافر ہیں، وہ ظہر کے بعد شروع ہوتے ہیں تو عشاء تک ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ فلاں مسجد والے کافر ہیں اور اتنی قطعی دلیلیں دیتے ہیں کہ میں تو قائل ہو گیا کہ یہ واقعی کافر ہیں اور مجھے یقین ہے کہ عدالت بھی یقین کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

بس اگلی تاریخ پر فلاں فلاں محلے کے فلاں فلاں مولوی صاحبان کو بھی بلا لیا جائے اور جن 50 آدمیوں کی مدعیت میں پرچا کاٹا گیا ہے انہیں بھی اگلی پیشی پہ بلا لیا جائے تو معاملہ ایک ہی تاریخ میں حل ہو جائے گا۔اگلی پیشی پر تمام متعلقہ مولویوں کو جو کہ صبح شام دوسرے فرقے کے لوگوں کو مدلل طور پر کافر قرار دیتے تھے اور پرتاب نے جن کا نام دیا تھا، باری باری کٹہرے میں طلب کیا گیا۔ مجمع میں سے تمام افراد کو کہا گیا کہ دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی الگ الگ کھڑے ہوں!** بریلوی مولوی سے قرآن ہر حلف لیا گیا، جس کے بعد پرتاب کے وکیل نے اس سے پوچھا کہ دیوبندوں اور اھل حدیثوں کے بارے میں وہ قرآن وسنت کی روشنی میں کیا کہے گا؟۔مولوی نے کہا کہ یہ دونوں توہینِ رسالت کے مرتکب اور بدترین کافر ہیں پھر اس نے دیوبندیوں اور اہلِ حدیثوں کے بزرگوں کے اقوال کا حوالہ دیا اور چند احادیث اور آیات سے ان کو کافر ثابت کر کے فارغ ہو گیا، جج نے پرتاب کے وکیل کے کہنے پر اہل حدیثوں اور دیوبندیوں سے کہا کہ وہ باہر تشریف لے جائیں!۔اس کے بعد دیوبندی اور اہلِ حدیث مولویوں کو یکے بعد دیگرے حلف لے کر گواہی کے لئے کہا گیا، دونوں نے بریلویوں کو مشرک ثابت کیا اور پھر شرک کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث کا حوالہ دیا، پھر تینوں کو ایک ساتھ بلوایا اور کہا آپ تینوں کا شیعہ کے متعلق کیا خیال ہے؟ تینوں نے مشترکہ طور پر کہا جناب ہم تینوں اس بات پر متفق ہیں کہ شیعہ ہماری نظر میں پکے کافر ہیں، پھر مجسٹریٹ نے سب کو عدالت سے باہر بھیج دیا، اس کے بعد پرتاب کے وکیل نے کہا کہ مجسٹریٹ صاحب آپ نے خود سن لیا کہ یہ سب ایک دوسرے کو کافر سمجھتے اور ببانگ دھل کہتے بھی ہیں اور کافر ہو کر عدالت سے نکل بھی گئے ہیں۔

اب عدالت میں جو لوگ بچتے ہیں ان میں سے مدعیوں کے وکیل صاحب بھی ان تینوں فرقوں میں سے کسی ایک فرقے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا یہ بھی کافروں میں سے ہی ہیں باقی جو مسلمان بچا ہے اسے طلب کر لیجئے تا کہ کیس آگے چلے؟ مجسٹریٹ نے کیس خارج کر دیا اور پرتاب کو باعزت بری کر دیا اور پرتاب اخبار کو بھی دوبارہ بحال کر دیا۔ یہ دھندا تقسیم ہند کے ستر سال بعد بھی جاری وساری ہے! تمام مسلم فقہاء کے بھائیوں سے گزارش ہے کہ خدا کیلئے ایک دوسرے کو کافر ومشرک کہنا چھوڑ دیں!۔

***

بوڑھے تو کام کے ہوتے ہیں

رند ملک

امریکی ریاست میں پچھتر برس کے لگ بھگ دو بوڑھے ایک اعصاب شکن انتخابی مہم کے بعد دنیا کی سب سے بڑی ریاست کی باگ دوڑ سنبھالنے کی تیاری کررہے ہیں۔دنیا کی بڑی ریاستوں کے چیلنج بھی جدا ہوتے ہیں۔آمریکا وقت کی سپر پاور ہے۔وہ دنیا پر حکومت کررہے ہیں۔ان کے سکے کی قدر ہماری معیشت کے اتار چڑھاؤ کو زیروزبر کردیتی ہے۔جو دنیا کی تہذیب بدل رہے ہیں۔گلوبل ورلڈ کے خوابوں میں رنگ بھر رہے ہیں۔وہ قومیں پچھتر برس کے بوڑھوں کو امام بنارہی ہیں اپنی قسمتیں انھیں سونپ رہی ہیں۔وہاں سماج بوڑھا نہیں ہونے دیتا۔وہ سب بوڑھا ہونا بھی نہیں چاہتے۔ ہمارے سماج، ہمارے خاندانوں میں پچاس برس کی زیادہ کی عورتیں، ساٹھ برس سے زیادہ کے مرد خاندانی امور سے بتدریج فارغ کردیے جاتے ہیں۔ہم ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے بجائے انھیں کارنر کرتے ہیں۔ہماری نئی نسل سمجھتی ہے کہ یہ بوڑھے وہ پتھر ہیں جنھیں چوم کر سرکا دیا جائیا پنے اطراف دیکھیں، ہم پچھتر سال کے بوڑھوں سے کیا سلوک کررہے ہیں اپنے خاندانوں میں۔

کتنے مشورے ہم خاندان کے بزرگوں سے کرتے ہیں؟ کب ہم فیصلوں کا اختیار ان لوگوں کو دیتے ہیں جو ستر پچھتر کی عمر عبور کرچکے ہوں؟ ہم برائے برکت انھیں برداشت کربھی لیں مگر اپنے فیصلوں کا اختیار انھیں نہیں دیتے۔اب تو نوجوان نسل اپنے جیون ساتھی کے انتخاب میں بھی سمجھتی ہے کہ ایک نسل پرانے لوگ ہمارے ''ٹیسٹ'' کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ہم نے خاندان کے ادارے سے دانستہ نانی نانا اور دادی دادا کے کردار کو کمزور کیا۔نئی عمر کے بابا اور ماما اکثر دور رکھتے ہیں اپنی نظر کے نور کو بوڑھی پرچھائیں سے۔۔کہیں یہ روایات بہت صحت مند بھی ہیں مگر اکثر جگہوں پر دم توڑ رہی ہیں۔بس یونہی کافی دیر سے ٹی وی اسکرین پر ٹرمپ اور جو بائیڈن کو دیکھ کر خیال آیا کہ بوڑھے تو بہت کام کے ہوتے ہیں، ہمارا سماج جانے کیوں انھیں بوجھ سمجھتا ہے۔ہم وقت سے پہلے انھیں محدود کردیتے ہیں۔فارغ سمجھتے ہیں، انھیں محفلوں اور بازاروں میں لے جانا بند کردیتے ہیں۔ان کے آرام کا بہانہ بنا کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں انکو سماج کا موثر حصہ بنانے سے۔آپ کسی بیٹے سے پوچھیں کہ والد صاحب اب تقریبات میں نظر نہیں آتے؟ جواب ملے گا ان کی صحت اچھی نہیں رہتی۔صحت تنہائی سے بہتر ہوتی ہے یا سماج کا حصہ بنانے سے۔۔۔خاندان کے بزرگوں کو ہسپتال کے سوا کہیں لے جانا بوجھل سا لگتا ہے۔قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہیں تفریح کی سوجھی رہتی ہے۔گویا تفریح پر جوانوں کا حق ہے۔حالانکہ تفریح پر بوڑھوں کا حق مغرب میں زیادہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ہم اپنے بوڑھوں کو مصلے پر دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ بس وہ تسبیح پڑھتے رہیں اور ہمارے گھروں سے آفات و بلیات ٹلتی رہیں۔اگر جو بائیڈن کی عمر (77 برس) کے نانا دادا کسی تقریب میں جانے کی خواہش ظاہر کردیں تو جواب ملتا ہے کہ پہلے ہی جوڑوں کا درد ہے خواہ مخواہ خود کو تکلیف نہ دیں۔ہمیں بوڑھے آرام کرتے اچھے لگتے ہیں۔انکے سرھانے رکھی دواؤں کا ہم خیال رکھتے ہیں کہ ان میں کوئی کمی نہ آجائے۔ریٹائرمنٹ کے بعد آدمی بے چارہ خود کو بوجھ سمجھنے لگتا ہے۔اچھا نہیں کرتے ہم میں سے بیشتر اپنے بزرگوں کے ساتھ۔وہ امریکا جیسی ریاست کی باگ دوڑ دے رہے ہیں بوڑھوں کو۔ ہم خاندان کی چھوٹی سی ریاست میں بزرگوں کی رائے کو دخل اندازی سمجھتے ہیں۔عبرت کی جاء ہے تماشہ نہیں ہے۔اپنے بزرگوں کو بااختیار بنایئے۔زندگی کے تجربات کا نچوڑ نہ ٹیکنالوجی ہے نہ ذہانت۔

K.P Groups ensures that you get the best possible service

*- Free Valuations

*- Property Acquisitions

*-Property Management

*- Rent Guarantee Scheme 1-5 Years

NLA NATIONAL LANDLORDS ASSOCIATION NLA Tenant Check my deposits PRS Property Redress Scheme ico. CMP

قندیل شعر و سخن، لندن
پنجابی مشاعرہ
3.30pm 2020 16
10.30am 4.30pm
8pm 7.30pm
The friends in all other countries are requested to check the UK time difference themselves please !
0044 7886 304637
USA & CANADA
Germany & France
ITALY

قندیل شعر و سخن، لندن
مشاعرہ
زیر صدارت: ڈاکٹر عبدالکریم خالد
بروز اتوار 2 اگست 2020ء لندن ٹائم 3.30pm
4.30pm 10.30am
7.30pm 8pm
The friends in all other countries are requested to check the UK time difference themselves please !
0044 7886 304637

Under the Banner of
"QINDEEL-E-SHER-O-SUKHAN" LONDON
قندیل شعر و سخن لندن کے زیر اہتمام
GLOBAL
MUSHAAIRA
عالمی مشاعرہ
منتظم اعلیٰ
00447886304637(Mobile/WhatsApp)
email: ranarazzaq52@gmail.com
USA & CANADA: 0014162754806 Mr. Abdul Hamid Hameedi

مشاعرہ
زیر اہتمام: قندیل شعر و سخن لندن
24 اکتوبر 2020 بروز ہفتہ
مشاعرہ بذریعہ زوم
ZOOM ONLINE MUSHAIRA
Mobile Phone& Email: The Chief Organiser
email: ranarazzaq52@gmail.com
ORGANISING TEAM
USA & CANADA-Abdul Hamid Hameedi
Important Note
Qindeel-e- Ilm

مشاعرہ
صدارت: زیب النساء زیبی
حنیف تمنا (مہمان خصوصی)
رانا عبدالرزاق خان مہتمم اعلیٰ
مشاعرہ بذریعہ زوم
ZOOM ONLINE MUSHAIRA
زیر اہتمام: قندیلِ شعر و سخن لندن
24 اکتوبر 2020 بروز ہفتہ
Mobile Phone& Email: The Chief Organiser
00447886304637(Mobile/WhatsApp)
email: ranarazzaq52@gmail.com
(ORGANISING TEAM) داعی و منتظمین
USA & CANADA: Abdul Hamid Hameedi
0014162754806
Global Inviter: Dr. Ishaq Sajid,
Germany 004915237600293
General: Dr. Munawar Ahmed Kanday,
England UK 00447778267318

قندیل شعر و سخن لندن
محفلِ مشاعرہ
3.30pm
2020
10.30am
4.30pm
8pm
7.30pm
0044 7886 304637

محفل مشاعرہ
قندیل شعر و سخن لندن
13ستمبر 2020 بروز اتوار
EST 12.30pm
6.30pm
5.30pm
7.30pm
7.30pm
10pm
9.30pm
صدارت
مہمانانِ خصوصی
مہمانانِ اعزازی
استقبالیہ
00447886304637 (مہتمم اعلیٰ)
ranarazzaq52@gmail.com
OTHER WHATSAPP RECEPTION & INFO NUMBERS.
(ORGANISING TEAM) داعی و منتظمین
USA & CANADA: 0014162754806 Mr. Abdul Hamid Hameedi
Global Inviter: 004915237600293 Dr. Ishaq Sajid, Germany
General: 00447778267318 Dr. Munawar Ahmed Kanday, UK

مُشاعرہ
19 اگست 2020
3.30pm
4.30pm
10.30am
7.30pm
8.15pm
8pm
صدارت
مہمانانِ خصوصی
مہمانانِ اعزازی
استقبالیہ
00447886304637
قندیل شعر و سخن لندن

QINDEEL-E-SHER-O-SUKHAN LONDON
قندیل شعر و سخن لندن
4 اکتوبر 2020 بروز اتوار
عالمی مشاعرہ
ORGANISING TEAM
متوقع محترم شعرائے کرام

قندیل شعروسخن لندن کے زیراہتمام
QINDEEL - E - SHER - O - SUKHAN LONDON
عالمی مشاعرہ
SATURDAY: 10th OCTOBER 2020
صدارت
صالح اچھا، کینیڈا
مہمان خصوصی
اقبال طارق، کویت
10 اکتوبر 2020 بروز ہفتہ
ADMINISTRATION
00447886304637(Mobile/WhatsApp)
email: ranarazzaq52@gmail.com
OTHER WHATSAPP RECEPTION & INFO NUMBERS:

A POETRY RECITING EVENT UNDER THE BANNER OF "QINDEEL-E-SHER-O-SUKHAN LONDON"
مشاعرہ
قندیل شعر و سخن لندن
27 ستمبر 2020 بروز اتوار
Qindeel-e-Sher-o-Sukhan
CHIEF ORGANISER
ORGANISING TEAM

مہمانانِ اعزازی
قندیل شعروسخن لندن کے زیراہتمام
عالمی مشاعرہ
17 اکتوبر 2020 بروز ہفتہ
A POETIC EVENT
MOSTLY IN URDU
(BUT OPEN FOR ALL LANGUAGES)
VIA
"ZOOM"

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

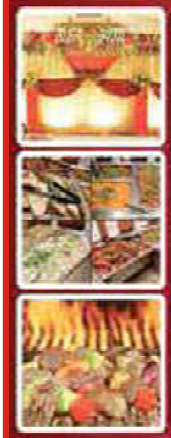

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU

ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1951

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB، نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)